دینی، علمی، اصلاحی، ادبی، تاریخی

زیرِ سرپرستی: مفسرِ قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

جلد: ۸، شمارہ: ۱
جنوری، فروری، مارچ ۲۰۲۴ء

مجلہ سہ ماہی

الکشاف

اسلام نے غیر مسلموں کی مدد کرنے کو ہرگز منع نہیں کیا ہے، آپ کا پڑوسی غیر مسلم ہے اور اس کو آپ کے مدد کی ضرورت ہے، کوئی راہ گیر ہے اور ضرورت مند ہے تو اس کی مدد کیجئے، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مدد نہ کرنے کی وجہ سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں وہ مدد کا زیادہ مستحق ہوگا، ہمارے بزرگوں نے، صحابہؓ نے، تابعین نے، مبلغین اور داعین الی اللہ نے اسی طرح اسلام کی دعوت دی ہے، اسلام کی اشاعت فرمائی ہے، ایک موقع پر صحابہ کرام کو خیال آگیا کہ ان کا تعاون نہ کیا جائے، ہوسکتا ہے ان کے کفر کی وجہ سے مدد نہ کرنے سے وہ اسلام کی طرف راغب ہو جائیں — یہ اس لئے ہوا کہ خود مسلمانوں پر ان کے ذریعہ ظلم کیا جارہا تھا، ان کو ستایا جارہا تھا — تو قرآن مجید میں آیت نازل ہوگئی کہ ایسا مت کرو، ہدایت دینا تو اللہ کا کام ہے، تمہیں ہر ضرورت مند کی مدد کرنی چاہئے، اب ہم نے یہی سب چھوڑ دیا ہے، شادی بیاہ میں اتنی خرافات کریں گے، اور شادی تو شادی ہے، بر تھ ڈے اور منگنی میں اتنی خرافات کرتے ہیں کہ اس کے آگے شادی کی تقریبات فیل ہیں، اگر اسی وقت کوئی حاجت مند آجائے، مریض آجائے کہ علاج کیلئے ۲۵ ہزار کی ضرورت ہے تو اس کو نہ دیں گے اور کہیں گے کہ ہم اس وقت بڑے خرچ میں پڑے ہوئے ہیں، ارے آپ تو خرچ میں منھ کے بل گر پڑے ہیں جو سراسر اسراف ہے اور یہ اسراف گناہ کا کام ہے۔

مفسرِ قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری

-/60

فلاح العباد ٹرسٹ 91/21 آزاد نگر کرامت کی چوکی کریلی الہ آباد یوپی

دینی، اصلاحی، علمی، ادبی، تاریخی

مجلّہ سہ ماہی

اَلْکَشّاف

جلد نمبر ۸ — شمارہ نمبر ۱

جمادی الثانیہ، رجب، شعبان ۱۴۴۵ھ - January to March 2024

زیر سرپرستی: مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری

معاون ایڈیٹر

مولانا عماد الدین مظاہری

مولانا حافظ سید محمد راشد

مجلس ادارت

پروفیسر شبیر احمد ندوی

سابق صدر شعبہ عربی لکھنؤ یونیورسٹی

مولانا وصی اللہ آرزو میاں

جلال آباد، ضلع شاملی

مولانا سید محمد زید، الہ آباد

مولانا سید محمد اشرف، الہ آباد

ڈاکٹر محمد کامل، لکھنؤ مقیم امریکہ

مجلس مشاورت

جناب محمد ثاقب صاحب

آئی ای، ایس

جناب محمد عرفان انصاری صاحب

ایڈیشنل ایس پی

جناب ڈاکٹر شوکت علی صاحب

سابق ڈائرکٹر آف ایجوکیشن

جناب طارق سعید صاحب، الہ آباد

جناب محمد کلیم خان صاحب، مہراج گنج

جناب وسیم احمد صاحب، گونڈہ

FLAHUL IBAAD TRUST 9I/2I Azad Nager
Karamat ki chauki Kareli Allahabad,UP India 2211016

ترسیل زر کا پتہ: FLAHUL IBAAD TRUST PNB A/c:1001002100506383

پرنٹر پبلشر محمد ضیاء الدین مظاہری نے. جے پرنٹرس الہ آباد سے طبع کرا کے دفتر مجلّہ سہ ماہی "الکشاف" فلاح العباد ٹرسٹ آزاد نگر کریلی سے شائع کیا۔

نوٹ: رسالے سے متعلق تمام مقدمات صرف الہ آباد کی عدالت میں قابل سماعت ہوں گے۔

ناشر فلاح العباد ٹرسٹ، 91/21 آزاد نگر، کرامت کی چوکی، کریلی، الہ آباد، یوپی

نگارشات

نمبر شمار	عناوین	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	اپنی بات	ادارہ	۳
۲	دوروزہ زندگی ہے جاہ وحشمت پر نہ ہو غافل	اکبرالہ آبادی	۵
۳	درس قرآن	مولانا عمادالدین مظاہری	۶
۴	دنیا کے حالات جیسے بھی ہوجائیں ہمیں مسلمان ہی رہنا ہے	حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب دامت برکاتہم	۱۳
۵	رمضان کے روزے کی اہمیت اور فضیلت اوراس میں دوخاص عبادتیں	مولانا سید محمد راشد	۲۰
۶	نواسیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا	ڈاکٹر محمد ضیاءالدین مظاہری	۲۴
۷	اسلام کے غدار، دوست کی شکل میں دشمن جو آستین کے سانپ تھے	مولانا محمد اسماعیل ریحان	۳۵
۸	حاجت براری	پروفیسر محمد عبدالرحمٰن العریفی	۴۱
۹	تصحیح عقائد اعمال واخلاق کی بنیاد ہے	مجلس حضرت مسیح الامت شاہ محمد مسیح اللہ خانصاحب شروانی	۴۶
۱۰	فقہی مسائل۔رمضان اور زکوۃ کے مسائل	ادارہ	۶۲

اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زرتعاون کا وقت ختم ہوگیا ہے،لہٰذا رسالہ جاری رکھنے کیلئے تعاون کی رقم ارسال کردیں

خط وکتابت کا پتہ:
فلاح العباد ٹرسٹ،91/2I آزادنگر،کرامت کی چوکی،کریلی،الہ آباد،یوپی۔انڈیا

فی شمارہ تعاون: 60/= روپے
سالانہ تعاون : 250/= روپے
محصول ڈاک اسکے علاوہ 100/=

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

zia3300@gmail.com

اداریہ

اپنی بات

عالمی پیمانے پر آج کے ''مسلمانوں'' کو حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو نوے فیصد سے زیادہ ''مسلمان'' اپنی ''مسلمانیت'' سے ہٹا ہوا ہے پھر بھی وہ اپنے کو ''مسلمان'' کہہ لا کر عالمی سطح پر مار کھا رہا ہے۔ جبکہ اگر صرف لفظ ''مسلمان'' کی لغوی اور اصطلاحی طور پر تعریف کی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ''اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا'' اور ''دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے والا'' ''تابعداری کرنا'' ''مذہب اسلام کا ماننے والا'' اور ''وہ شخص جو جناب محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو دل سے مانتا ہو'' یہ تو ہیں وہ معانی جو آپ کو ڈکشنریوں اور انٹرنیٹ پر مل جائیں گے۔

حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''مسلمان'' کی تعریف جو فرمائی ہے اور ''مسلمان'' کہلانے کا صحیح حقدار وہی ہے جو ان صفات سے متصف ہوگا ورنہ اپنے کو ''مسلمان'' کہنے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ اگر ذرا اور آگے بڑھ کر عرض کروں تو وہ ''منافق'' کے زمرے میں داخل ہوتا نظر آتا ہے، اور اگر آج کل کے لفظ میں کہوں تو ایسے ہی لوگ اپنی روح اور اپنے جسم کے ''غدار'' ہیں۔

تمام بڑے بڑے محدثین نے جن میں سر فہرست امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام ابن حبانؒ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں جنھوں نے اپنی اپنی مسانید وصحاح میں اس حدیث کو نقل فرمایا ہے، ارشاد ہے: ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَ یَدِہٖ'' مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو کر ''مسلمان'' ہو گیا تو اب خاص طور سے ''مسلمان'' اور عام طور سے ''سبھی لوگ'' خود اس کے شر سے، شرارتوں سے، ایذاء رسانیوں سے، برائی سے، اس کی غلط سوچ سے محفوظ ہو جائیں۔ ''مسلمان'' کے طور اور طریقہ سے کسی دوسرے کی زندگی کو خطرہ نہ ہو، کسی کی صحت و تندرستی اور کسی کی عزت و آبرو کو، حرمت کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

اگر ایسا ''مسلمان'' ہو گیا تو پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ'' (شعراء:۸۹) مگر وہی شخص (نفع مند ہوگا) جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سلامتی والے بے عیب دل کے ساتھ حاضر ہوا۔ یعنی ایسا دل جو ظلم اور فساد سے خالی ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا بڑا مرتبہ ہے۔

اتنی ساری تفصیل سے یہ حقیقت دلنشین کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو لفظ ''مسلمان'' ہے یہ امن و امان، سلامتی اور عافیت کا خمیر اپنے اندر پیوست کئے ہوئے ہے۔

..تو پھر کیا وجہ ہے کہ دنیا بھر کے ''مسلمان'' نام کا دَم بھرنے والے اپنے انہیں اوصاف کی بناء پر (جواَب ان کے اندر نہیں ہے) دوسروں سے ''مار'' کھائے جارہے ہیں، ذلیل ہوتے جارہے ہیں؟

خود ''مارنے'' والا یہ سمجھتا ہے کہ میں نے ''مسلمان'' کو مارا اور ''مار کھانے'' والا بھی یہ سمجھتا ہے کہ مجھ کو ''مسلمان'' ہونے کی وجہ سے ''مارا'' جارہا ہے۔

پھر اے دنیا کے نام نہاد مسلمانو! تم لغوی اور معنوی ''مسلمان'' کیوں نہیں بن جاتے؟؟

کیا تم نے ''ذلیل وخواری'' اور ''بے حیائی اور بے شرمی'' کی چادر اوڑھ رکھی ہے؟؟

یاد رکھئے پوری دنیا میں صرف دو جماعتیں، دو پارٹیاں اور دو قسم کے انسان ہیں، جن کی تقسیم خود پروردگار عالم نے فرمادی ہے، ارشاد ہے: ''**هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ**'' (سورہ تغابن:۲) وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا، تم میں سے بعض ناشکرے ہو گئے اور تم میں سے بعض ایمان لائے (شکر گذار ہو گئے) اور فرمایا:

''**فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَ فَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ**'' (ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق جہنم میں) (سورۂ شوریٰ:۷) اور ارشاد فرمایا:

''**فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَ مِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ**'' (ان میں سے بعض ایمان لائے اور بعض کافر رہے) (سورۃ البقرہ:۲۵۳)

پوری دنیا کے ''مسلمانو''! اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ''مسلمان'' کہلانے کی عزت اور دولت سے نوازا ہے تو خدارا ''مسلمان'' بن جاؤ، ورنہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال دیکھے جاتے ہیں اور اُسی کو دیکھتے ہوئے آسمانوں پر فیصلے ہوتے ہیں کیونکہ لفظی ''مسلمان'' سے اللہ تعالیٰ کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ دونوں ہی فریق اللہ کے بندے اور مخلوق ہیں مگر اس میں ایک مبغوض ہے اور ایک محبوب۔ پس ابھی بھی وقت ہے سنبھل جایئے ورنہ ؎ (شعر میں تھوڑے سے تغیر کے ساتھ)

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے مسلمانوں
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں
یہی آئینِ قدرت ہے، یہی اسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گام زن، محبوبِ فطرت ہے

❁

دو روزہ زندگی ہے جاہ وحشمت پر نہ ہو غافل

اکبرالہ آبادی

خدا کا نام روشن ہے خدا کا نام پیارا ہے
دلوں کو اس سے قوت ہے زبانوں کو سہارا ہے
خدا ہی ہے زمین و آسماں کا خالق و مالک
اسی کی قدرت وصنعت نے عالم کو سنوارا ہے
تماشا اس کی قدرت کا ہے بر و بحر میں ہر دم
اِدھر موجیں ہوا کی ہیں اُدھر پانی کا دھارا ہے
اسی کے حکم سے ہے رات دن کی یہ کمی بیشی
اسی کے حکم کا تابع فلک پر ہر ستارا ہے
اسی کے حکم سے پھل اور غلے کی ہے پیدائش
زمین پر بدلیوں سے اس نے پانی کو اتارا ہے
اسی کے انتظام وحکم سے موسم بدلتے ہیں
وہی ہے وقت پر جس نے ہواؤں کو ابھارا ہے
زمین پر سبزۂ گل کی نمودیں کیسی پیاری ہیں
فلک پر چاند سورج کا بھی کیا دل کش نظارہ ہے
کوئی ذرہ نہیں عالم میں اس کے علم سے باہر
جو مرضی اسکی ہے دخل اس میں دے یہ کس کو یارا ہے
وہی دنیا میں ہے اس زندگی وموت کا خالق
ہر اک کو اپنی مرضی سے جلایا اور مارا ہے
دو روزہ زندگی ہے جاہ وحشمت پر نہ ہو غافل
فریدوں نہ کیخسرو، سکندر رہے نہ دارا ہے
یہ جب تک سانس چلتی ہے سمجھتے ہمیں ہم ہیں
اجل جب سر پہ آ پہنچی تو پھر کیا بس ہمارا ہے
کرو طاعت خدا کی بس وہی معبودِ برحق ہے
اسی کی شان یکتائی جہاں میں آشکارا ہے
اگر اعمال اچھے ہیں تو پاؤ گے بڑے درجے
سمجھ لو امتحاں اس دارِ فانی میں تمہارا ہے
بزرگوں کا ادب، اللہ کا ڈر، شرم آنکھوں میں
انہیں اوصاف کی نسبت مذاہب میں اشارا ہے

درسِ قرآن

مستفاد از تفسیر تبیان القرآن

مولانا عماد الدین مظاہری ایم اے

سورہ دخان

اَعُوذُ باللّٰه مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيم
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ اِسْرَائِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ o مِنْ فِرْعَوْنَ ط اِنَّهٗ كَانَ عَالِياً مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ o وَ لَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ o وَ اٰتَيْنٰهُمْ مِنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ o اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ o اِنْ هِىَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَ مَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ o فَأْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ o اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ لا وَ الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ ط اَهْلَكْنٰهُمْ ز اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ o وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ o مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ o اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ o يَوْمَ لَا يُغْنِىْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئاً وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ o اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ط اِنَّه هُوَا الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ o اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ o طَعَامُ الْاَثِيْمِ o كَالْمُهْلِ ج يَغْلِى فِى الْبُطُوْنِ o كَغَلْىِ الْحَمِيْمِ o خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ o ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَأْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ o ذُقْ ج اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ o اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ o اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِى مَقَامٍ اَمِيْنٍ o فِى جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ o يَلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ o كَذٰلِكَ قف وَزَوَّجْنٰهُم بِحُوْرٍ عِيْنٍ o يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ o لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ج وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ o فَضْلاً مِنْ رَّبِّكَ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ o فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ o فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُرْتَقِبُوْنَ o (سورہ دخان: از آیت:۲۹ تا ۵۹)

سورۃ الدخان

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ اِسْرَائِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ o مِنْ فِرْعَوْنَ ط اور بنی اسرائیل کو ہم

نے ذلت کے عذاب سے یعنی فرعون سے نجات دی۔(آیت:۳۰،۳۱)یعنی فرعون بذات خود بنی اسرائیل کے لئے ذلت کا ایک مجسم عذاب تھا۔

اِنَّهٗ كَانَ عَالِياً مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ o واقعی وہ بڑا سرکش حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا۔ (آیت:۳۱)یعنی بڑا ہی متکبر،مغرور اور سرکش تھا مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچ سکا۔

وَ لَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ o اور ہم نے ان(بنی اسرائیل)کو اپنے علم کے مطابق دنیا جہان والوں پر فوقیت دی۔(آیت:۳۲)اس سے مراد اُس زمانہ کے دنیا جہان والے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ کی سب قوموں پر ہم نے بنی اسرائیل کو فوقیت دی،کیونکہ ہمارے علم میں وہی اس کیلئے زیادہ مناسب تھے۔

وَ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ o اور ہم نے ان کو ایسی نشانیاں دیں جن میں کھلا ہوا انعام تھا۔(آیت:۳۳)نشانیوں سے مراد وہ انعامات ہیں جو بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے فرمائے تھے جیسے فرعون سے نجات دلانا،من سلویٰ نازل کرنا،پتھر سے پانی کے چشمے نکال دینا،بادل کا سایہ کر لینا وغیرہ جن کا ذکر سورۂ بقرہ میں تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے۔

’’بلاء‘‘ کے معنی

’’بلاء‘‘ کے معنی انعام اور آزمائش دونوں ہیں او یہاں دونوں ہی معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ انعام تو اسلئے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کا انعام اور احسان ہی ہیں،اور آزمائش اس لئے کہ دیکھو،ان انعامات واحسانات کو پا کر یہ لوگ اللہ کی فرمانبرداری کر کے اس کے شکر گذار بندے بنتے ہیں یا ناشکری کر کے نافرمانی کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ o یہ لوگ کہتے ہیں۔(آیت:۳۴)درمیان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ آ گیا تھا تا کہ کفار مکہ کو تنبیہ کر دی جائے کہ اگر تم بھی فرعون ہی کی طرح ضد،ہٹ دھرمی اور کفر و نافرمانی کے طریقہ پر قائم رہو گے تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا جو فرعون اور اس کی قوم کا ہوا۔اب یہاں سے پھر کلام کا رخ عام کفار و مشرکین کی طرف ہے۔

کافروں اور مشرکوں کا خیال ہے کہ...

اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَ مَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ o کہ بس یہی ہمارا دنیا کا پہلی مرتبہ

مرنا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہ کئے جائیں گے ۔ (آیت:۳۵) یعنی یہ دنیا کی زندگی ہی بس پوری اور آخری زندگی ہے، یہاں جب ہم مریں گے تو بس ختم ہی ہو جائیں گے، اس کے بعد پھر کوئی زندگی نہیں ہے اور نہ حساب کتاب کا کوئی معاملہ ہے۔

دوبارہ زندگی کا عقیدہ قیامت کے دن کیلئے ہے نہ کہ اس دنیا کیلئے

فَأْتُوا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو اٹھا لاؤ۔ (آیت:۳۶) یعنی کفار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ اگر تمہارا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے تو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کرا کے دکھاؤ تاکہ ہم کو تمہاری بات کا یقین آجائے ۔ حالانکہ یہ ان کی کٹ حجتی اور نری بکواس تھی کیونکہ دوبارہ زندگی کا عقیدہ قیامت کے دن کے لئے ہے نہ کہ اس دنیا کے لئے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا مسلمانوں نے یہ کب کہا کہ مرنے والے اسی دنیا میں دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور یہیں ان کا حساب کتاب ہوگا؟

تُبَّع کسے کہتے ہیں؟

اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم ۔ (آیت:۳۷) تُبَّع یمن کے بادشاہوں کا لقب تھا جیسے روم کے بادشاہوں کا لقب قیصر اور ایران کے بادشاہوں کا کسریٰ اور مصر کے بادشاہوں کا فرعون تھا۔

تُبَّع اسعد ابو کریب بن ملکی کریب یمانی

یہاں کونسا ''تبع'' مراد ہے؟ یہ یقینی طور پر نہیں معلوم ۔ مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہاں وہ تبع مراد ہے جس کا نام اسعد ابو کریب بن ملکی کریب یمانی ہے، یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے تقریباً سات سو سال پہلے گذرا ہے، یہ بادشاہ اس وقت کے دینِ حق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر ایمان لایا تھا، مگر اس کی قوم نے بعد میں بت پرستی اور آتش پرستی اختیار کر لی جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب نازل ہوا۔

وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اور وہ قومیں جو ان سے پہلی تھیں ۔ (آیت:۳۷) جیسے قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ۔

اگر یہ کفار نافرمانی سے باز نہ آئیں گے تو کس طرح اپنے کو عذاب سے بچا پائیں گے

اَهۡلَكۡنٰهُمۡ‌ز اِنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ o ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا وہ یقیناً مجرم تھے۔ (آیت:۳۷) یعنی شان و شوکت اور طاقت وقوت میں یہ قومیں کفار مکہ سے بہت زیادہ تھیں مگر جب وہ نافرمانی اور جرم سے باز نہ آئے تو ہم نے ان سب کو ہلاک کر ڈالا پھر یہ کفار تو کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں سوچ لینا چاہئے کہ اگر یہ بھی نافرمانی سے باز نہ آئیں گے تو یہ کس طرح اپنے کو اللہ کے عذاب سے بچا سکیں گے؟

اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی دنیا محض کھیل تماشہ کے طور پر نہیں بنا دی

وَ مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا لٰعِبِيۡنَ o مَا خَلَقۡنٰهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ لٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ o اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیل کرنے کے لئے نہیں پیدا کیا ہم نے ان دونوں کو حکمت ہی سے پیدا کیا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ (آیت:۳۸،۳۹) یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندگی اور آخرت اور اس میں ملنے والی جزا وسزا کے انکار کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اتنی بڑی دنیا محض کھیل تماشہ کے طور پر بنا دی ہے (معاذ اللہ) حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ہم نے آسمان و زمین اور تمام مخلوقات کو بڑی حکمت سے پیدا کیا ہے کہ اس سے اللہ کی قدرت بھی ظاہر ہوتی ہے اور آخرت میں جزا وسزا کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ جو ذات اتنی بڑی دنیا کو پیدا کرنے اور اس کا انتظام کرنے کی قدرت رکھتی ہے یقیناً وہ ذات اس پر بھی قادر ہے کہ سب کو دوبارہ زندہ کر کے نیکوں کو نیکی کی جزا اور بروں کو برائی کی سزا دے۔

دوبارہ زندہ ہونے اور جزا وسزا کا ایک دن مقرر ہے

اِنَّ يَوۡمَ الۡفَصۡلِ مِيۡقَاتُهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ o بیشک فیصلہ کا دن ان سب کا مقررہ وقت ہے۔ (آیت:۴۰) یعنی تمہارے ماننے اور نہ ماننے سے کچھ نہیں ہوتا، یہ حقیقت بہر حال اپنی جگہ اٹل ہے کہ دوبارہ زندہ ہونے اور جزا وسزا ملنے کا ایک وقت مقرر ہے، وہ اس وقت پر ہو کر رہے گا اور سب کا حساب کتاب بیک وقت ہو جائے گا۔

يَوۡمَ لَا يُغۡنِىۡ مَوۡلًى عَنۡ مَّوۡلًى شَيۡـئًا وَّ لَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ o جس دن کوئی تعلق والا کسی

تعلق والے کو ذرا بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔(آیت:۴۱) یعنی کہیں سے کسی طرح کی بھی مدد نہ مل سکے گی۔

اللہ تعالیٰ مومن بندوں کی مدد فرمائیں گے

اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ مگر جس پر اللہ رحم فرمادے۔(آیت:۴۲) چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن اور فرمانبردار بندوں پر رحم فرمائے گا اور اللہ کی اجازت سے ان کے حق میں کی گئی سفارش ان کے کام آئے گی اور اللہ تعالیٰ خود بھی ان کی مدد فرمائیں گے۔

اِنَّهٗ هُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ ۝ یقیناً وہ زبردست ہے مہربان ہے۔(آیت:۴۲) چنانچہ کافروں سے بدلہ لے گا اور مسلمانوں پر رحمت فرمائے گا۔

''زقوم'' کیا ہے؟

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ۝ بیشک زقوم...(آیت:۴۳) ''زقوم'' غالباً وہی چیز ہے جس کو سیہنڈ یا تھوہڑ کہا جاتا ہے مگر دوزخ کے زقوم کی صحیح کیفیت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔سورۂ صافات میں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ یہ درخت جہنم میں ہے اور دوزخیوں کو کھانے کے لئے دیا جائے گا....

آج اپنے گھمنڈ اور خود ساختہ عزت کا مزہ چکھو

طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ ۝ كَالۡمُهۡلِ ۚ يَغۡلِىۡ فِى الۡبُطُوۡنِ ۝ كَغَلۡىِ الۡحَمِيۡمِ ۝ خُذُوۡهُ فَاعۡتِلُوۡهُ اِلٰى سَوَآءِ الۡجَحِيۡمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِهٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِيۡمِ ۝ ذُقۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡكَرِيۡمُ ۝ زقوم کا درخت گنہگار کا کھانا ہوگا۔تیل کی تلچھٹ جیسا وہ پیٹ میں ایسا کھولے جیسے کھولتا ہوا پانی۔(فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑو پھر گھسیٹ کر دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ، پھر اس کے سر کے اوپر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب انڈیل دو۔(کہا جائے گا) لے چکھ،تو بڑا معزز مکرم ہے۔(آیت:۴۴،۴۵،۴۶،۴۷،۴۸،۴۹) یہ اس جہنمی کو ذلیل کرنے کے لئے کہا جائے گا کہ تو دنیا میں اپنے کو بڑا باعزت اور قابل تعظیم سمجھتا تھا اور اس پر تجھے اتنا گھمنڈ تھا کہ ہمارے رسول کی بات اور ہمارے احکام سننے اور ان پر عمل کرنے سے تجھے شرم آتی تھی،آج اپنے اس گھمنڈ اور خود ساختہ عزت کا مزہ چکھ اور اپنی ذلت ورسوائی اور خواری کی دُرگت دیکھ اور سخت دائمی سزاؤں کا مزہ چکھ۔

اِنَّ هٰـذَا مَا کُنْتُمْ بِـهٖ تَمْتَـرُوْنَ ٥ یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔ (آیت:۵۰) یعنی تم کو دنیا میں تو اس دن کے آنے کا یقین نہیں تھا، اب تو یقین آ گیا۔ لیکن اس وقت یقین آنے کا کچھ فائدہ نہ ہوگا کیونکہ ایمان وعمل کا وقت گذر چکا ہوگا۔

امن چین کی جگہ

اِنَّ الْـمُتَّـقِیْـنَ فِی مَقَـامٍ اَمِیْنٍ ٥ بیشک پرہیزگار لوگ امن وچین کی جگہ میں ہوں گے۔ (آیت:۵۱) دوزخیوں کا حال ذکر کرنے کے بعد اب اہل ایمان کا حال بیان فرماتے ہیں۔ ''امن چین کی جگہ'' ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں کسی غم، پریشانی، تکلیف اور مشقت کا خطرہ اور کھٹکا نہ ہو، چنانچہ جنت کی یہی کیفیت ہے۔

جنتیوں سے کہا جائے گا کہ...

حدیث شریف میں ہے کہ: ''جنتیوں سے کہہ دیا جائے گا کہ یہاں تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے، ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی نہ مرو گے، ہمیشہ خوشحال رہو گے کبھی خستہ حال نہ ہو گے، ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے'' (ابن کثیر بحوالہ صحیح مسلم)

''سندس'' اور ''استبرق''

''فِی جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ٥ یَـلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ...'' باغوں اور چشموں میں وہ باریک اور دبیز ریشم کا لباس پہنیں گے۔ (آیت:۵۲،۵۳) اصل میں ''سندس'' اور ''استبرق'' کے الفاظ آئے ہیں۔ سندس باریک ریشمی کپڑے کو اور استبرق دبیز ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں۔

مُّتَقٰبِلِیْنَ ٥ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ (آیت:۵۳) یعنی بے تکلف دوستوں کی طرح بیٹھے ہوں گے۔

''حور'' کے معنیٰ

کَذٰلِکَ قف وَزَوَّجْنٰهُـمْ بِـحُـوْرٍ عِیْنٍ ٥ یہ اسی طرح ہوگا اور ہم گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے ان کا بیاہ کر دیں گے۔ (آیت:۵۴) اصل میں ''حورعین'' کے الفاظ آئے ہیں۔ ''حور'' جمع ہے ''حوراء'' کی جس کے معنیٰ گوری عورت کے ہیں اور ''عین'' جمع ہے ''عیناء'' کی جس کے معنیٰ

ہیں بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی عورت۔

جنت میں کام کرنے کے لئے خادم ہوں گے

یَدۡعُوۡنَ فِیۡھَا بِکُلِّ فَاکِھَةٍ اٰمِنِیۡنَ o وہ وہاں بڑے اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگواتے ہوں گے۔(آیت:۵۵)یعنی جو چیزیں جنتی چاہیں گے جنت کے خادموں کوحکم دیں گے وہ فوراً لاکر حاضر کردیں گے ارخوب بےفکری سے کھائیں گے۔

لَایَذُوۡقُوۡنَ فِیۡھَا الۡمَوۡتَ اِلَّا الۡمَوۡتَةَ الۡاُوۡلٰی ج وہ وہاں سوائے اس موت کے جوان کو دنیا میں پہلے آچکی تھی کسی اور موت کا مزہ نہ چکھیں گے۔(آیت:۵۶)یعنی جو موت دنیا میں ایک مرتبہ آچکی بس وہ آچکی اب ان کو کبھی موت نہ آئے گی، ہمیشہ زندہ اور عیش وآرام میں شاداں وفرحاں رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا بڑی فضل

وَوَقٰھُمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ o فَضۡلاً مِنۡ رَّبِّکَ ط ذٰلِکَ ھُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ oاوراللہ ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا، یہ سب آپ کے پروردگار کے فضل سے ہوگا، بڑی کامیابی یہی ہے۔(آیت:۵۶،۵۷)یعنی اللہ تعالیٰ کا سراسر فضل ہے کہ اس نے دوزخ کے عذاب سے بچا کر جنت کی نعمتوں اورراحتوں میں پہنچادیا جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے،اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہوسکتی ہے۔

فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّھُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ o غرض ہم اس نے قرآن کوآپ کی زبان (عربی) میں آسان کردیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت قبول کریں۔(آیت:۵۸)یعنی اپنی مادری زبان عربی میں ہونے کی وجہ سے آسانی سے سمجھ لیں اور نصیحت حاصل کریں۔

فَارۡتَقِبۡ اِنَّھُمۡ مُرۡتَقِبُوۡنَ o اب آپ انتظار کیجئے یہ لوگ بھی انتظار کررہے ہیں۔(آیت:۵۹)یعنی اب بھی اگر یہ نصیحت نہ قبول کریں تو آپ دیکھتے رہئے کہ ان کو کیسا برا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے، یہ لوگ بھی اس انتظار میں ہے کہ دیکھیں آپ کا کیا انجام ہوتا ہے۔

موعظۂ حسنہ

دنیا کے حالات جیسے بھی ہوجائیں ہمیں مسلمان ہی رہنا ہے

حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

یہ مضمون حضرت والا کا ایک بیان ہے جو مسجد مسلم ہوسٹل یونیورسٹی الہ آباد میں بروز جمعہ بتاریخ ۲۶/جنوری ۲۰۲۴ء قبل خطبہ ہوا تھا۔ ادارہ افادۂ عام کیلئے وائس رکارڈنگ سے نقل کر کے نیز آیات واحادیث کی تخریج اور ذیلی عنوانات قائم کر کے اپنے قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ (ادارہ)

مسلمان ناامیدی کی چادر نہ اوڑھیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن ، وَالصَّلاۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن وَ عَلیٰ آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن وَ مَنْ تَبِعَھُم بِاِحْسَانٍ اِلیٰ یَوم الدِّیْن ، اَمَّا بَعد :

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

”وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاس“ (سورہ آل عمران:۱۴۰)

دوستو، ایک بات سمجھنے کے لئے کہہ رہا ہوں کہ اسلام میں مایوسی اور ناامیدی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بہت سے لوگ صاحب اولاد نہیں ہوتے ہیں، اولاد سے مایوس ہوجاتے ہیں، تو اکثر یہ ہوتا ہے کہ اولاد نہیں بھی ہوئی تو اولاد ہونے کا جو فائدہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ وہ ان کو عطا فرما دیتے ہیں۔ لیکن

اس شرط کے ساتھ کہ وہ مایوسی اور ناامیدی کی چادر نہ اوڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے اچھی توقع رکھیں۔

آپ اگر اپنے آس پاس غور کیجئے گا تو بہت سے لوگ ایسے ہیں جو صاحب اولاد ہیں لیکن ان کو اپنی اولاد سے سوائے اذیت اور تکلیف کے کچھ حاصل نہیں ہے، اور بہت سے ایسے ہیں کہ نہ ان کے کوئی لڑکا اور نہ لڑکی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اپنے بندوں میں سے ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیا جو ہر وقت ان کی راحت و آرام کی فکر میں لگے رہتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو صاحب اولاد بھی ہیں اس کے باوجود دوسروں کی اولاد کے گن گاتے ہیں۔

تو اصل چیز یہ ہے کہ جو مقصد اور نشانہ ہے اس پر نظر ہونی چاہئے بہر حال مسلمانوں کے لئے مایوسی کفر ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

مایوسی کی ایک وجہ خودساختہ ہے

''لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰه'' (سورۂ زمر:۵۳) اللہ کی رحمت سے ناامید اور مایوس مت ہو۔

مایوسی کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ بسا اوقات آدمی نے اپنے ذہن میں کوئی طریقہ مقرر کیا ہوا ہوتا ہے کہ اس طریقہ سے ہمیں کامیابی مل جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کامیابی کے لئے دوسرا طریقہ طے ہے۔ اب اس کے طریقے سے کامیابی نہیں مل رہی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔

مثلاً وہ یہ طے کئے رہتا ہے کہ ہم نوکری سے ہی کامیابی حاصل کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ طے کر رکھا ہے کہ وہ کاروبار کرے، اس میں اس کو کامیابی ملے گی۔

مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے

تو اصل چیز جو اس کو حاصل ہونی چاہئے تھی وہ حاصل ہوئی، اس لئے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا ہے اور پھر خاص طور سے مسلمانوں کے لئے یہ حکم ہے، اوران کی یہ تاریخ ہے جو اب چودہ سو سال کی ہو رہی ہے اس میں کتنی بار ایسا ہوا ہے کہ ایسا لگتا تھا کہ یہ امت اب جارہی ہے۔ یعنی اس کا اب آخری وقت ہے لیکن اسی آخری وقت میں ایسا اٹھان آیا کہ معلوم ہوا کہ یہی سب پر غالب آگئے۔ یہ ایک واقعہ نہیں، دو واقعہ نہیں، آپ تاریخ پڑھئے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ ہوتا رہا ہے، یہ دنیا نام ہی اسی کا ہے، یہاں موسم ایک طرح کا نہیں رہتا۔ جن ملکوں

میں ایک طرح کا موسم رہتا ہے وہاں بھی سولہ بیس ہوتا رہتا ہے۔تو جیسے موسم ایک طرح کا نہیں رہتا ہےاسی طرح حالات بھی ایک طرح کے نہیں رہتے۔

دیکھئے اس وقت حال یہ ہے کہ جتنا پہنے ہوئے ہیں سب کم ہے، سب لوگ ٹھٹھر رہے ہیں اور کانپ رہے ہیں اور ابھی دومہینہ کے بعد یہ حال ہوگا کہ جتنا اتار دو اتنا ہی اچھا ہے، بس چلے تو کھال ہی اتار دو۔رات میں اور ابھی فجر تک نہیں لگ رہا تھا کہ دھوپ نکل آئے گی ،لیکن دیکھئے دھوپ نکل آئی ہے اور کتنی اچھی ہوگئی ہے۔

شاہِ روم

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النّاس ''(سورۃ: آل عمران: ۱۴۰) کہ یہ زمانہ اور دن ہم لوگوں کے درمیان الٹتے پلٹتے رہتے ہیں، کبھی ان کے ہاتھ میں اور کبھی اِن کے ہاتھ میں۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ روم کے پاس اپنا قاصد اپنا فرمان لے کر بھیجا تھا تو شاہِ روم نے تحقیق کے لئے عرب کے قریش خاندان کے کچھ لوگوں کو جو تجارت کے لئے وہاں گئے ہوئے تھے، بلوایا یہ لمبا واقعہ ہے اس میں اس نے ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ بتلایئے: تمہارے اور ان کے درمیان کبھی جنگ ہوئی ہے تو جنگ میں کیا حال رہتا ہے؟ قریش نے جواب دیا: ہمارے درمیان جنگ ہوتی ہے جس میں کبھی ہم جیت جاتے ہیں اور کبھی وہ جیت جاتے ہیں۔ یہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا۔

غزوہ بدر میں ۳۱۳ تھے غالب آ گئے

غزوہ بدر میں ۳۱۳ تھے، غالب آ گئے، وہ ایک ہزار مسلح تھے اور یہ نہتے تھے۔لیکن غزوۂ احد میں جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہوگئی تھی ،خود مسلمانوں کے جان کے لالے پڑ گئے تھے،لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے فتح مبین سے سرفراز فرمایا۔ یہ سب ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہوا ہے۔لیکن ان حالات میں بھی مسلمانوں کے پاس ایک ایسی چیز تھی جو اب بھی ہے اور جس پر قائم ودائم رہنا چاہئے ،جس پر فتح وکامیابی کا مدار ہے، وہ ہے استقامت۔

استقامت یہ ہے کہ اپنے دین پر، اپنے عقیدے پر، اپنے ایمان پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہنا۔

چاہے حالات کیسے بھی آجائیں۔اس بات کوایک مثال سے سمجھئے:

ہر حال میں ایمان پر قائم رہنا ہوگا

سخت گرمی ہوگی تب بھی نماز پڑھیں گے اور سخت سردی ہوگی تب بھی نماز پڑھیں گے۔ ایسا نہیں ہے کہ بہت سردی ہوگئی تو نماز چھوڑ دیں گے، بہت گرمی ہوگئی کہ رات میں نیند ہی نہیں پوری ہوئی، تو اب نماز ہی میں نہیں اٹھ پارہے ہیں، یہ استقامت نہیں ہے۔ استقامت یہ ہے کہ گرمی ہو یا سردی، برسات ہو یا سوکھا، ہر حال میں نماز کے پابند ہیں۔ اسی طرح سے حالات کیسے بھی ہوں ہر حال میں ایمان پر قائم ہیں، ایمان کے تقاضوں کو پورا کررہے ہیں، اپنے ایمان کے اوپر مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں، اس کا نام ہے استقامت۔

یہ چیز تھی، اور یہ چیز جب تک رہے گی اس وقت تک حالات کیسے بھی ہوں جائیں لیکن آخری کامیابی حق اور اہل حق ہی کی ہوگی۔

مسلمانوں کا ایک زمانہ یہ تھا

کوئی یہ سوچ سکتا تھا کہ بنوامیہ کا زمانہ ختم ہوجائے گا؟ لیکن دیکھتے دیکھتے پانسہ پلٹ گیا اور بنوعباس آگئے وہ بھی مسلمان تھے، اور عباسیوں کی سلطنت اور ان کی شوکت کا عالم یہ تھا کہ ہارون رشید خلیفہ عباسی اپنے محل سرا کی چھت پر لیٹا ہوا تھا، اس نے دیکھا کہ ایک بادل کا ٹکڑا چلا جارہا ہے، اس نے کہا کہ: اے بادل، تیرا جہاں جی چاہے وہاں برس لیکن تیری مال گذاری تو میرے ہی خزانے میں آئے گی۔

اللہ نے تاتاریوں کو ان کے اوپر مسلط کردیا
اور پھر انہیں سے اسلام کا قندیل روشن ہوا

یہ اتنی بڑی حکومت تھی۔ لیکن دیکھتے دیکھتے کیا حال ہوگیا اس کا؟ ایسے لوگ جوان پڑھ تھے، جاہل تھے، وحشی تھے، سیاست کے نام پر کچھ بھی پڑھا لکھا نہیں تھا، تاتاری۔ تاتاریوں کے ہاتھوں خلافت عباسیہ کے بخیئے ادھڑ گئے، لیکن اسلام کا بخیہ نہیں ادھڑا۔ خلافت عباسی کا خاتمہ ہوا، اسلام کا خاتمہ نہیں ہوا، اسلام کا خاتمہ کیسے ہوتا؟ اسلام کا جو چراغ ہے وہ آندھی میں جلتا ہے، چنانچہ تاتاریوں کی اسی آندھی میں اسلام کا یہ ٹمٹما تا چراغ روشن قندیل بن گیا، اور خود تاتاری اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے۔

ہے عیاں یورش تا تار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کوئی کہہ سکتا تھا کہ ہندوستان سے مغل حکومت کا خاتمہ ہوگا؟ لیکن جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو انگریزوں کے ہاتھ اس حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ کوئی کہہ سکتا تھا کہ ہندوستان سے انگریزوں کا خاتمہ ہو جائے گا، کہتے ہیں کہ برطانیہ کی حکومت میں سورج نہیں ڈوبتا تھا اور آج ایک محدود رقبہ میں یہ حکومت سمٹ کر رہ گئی ہے۔

...تو آسمان پر حالات کے پلٹنے کا فیصلہ ہوگا

یہ حالات ہیں جو پلٹا کھاتے ہیں، اور اس کی بہت کچھ وجوہ اور ذمہ داری مخلوق پر ہے، انسانوں پر ہے، آپ اپنے حالات میں تبدیلی لائیں گے، اللہ کی نافرمانی کریں گے تو آسمان پر حالات کے پلٹنے کا فیصلہ ہوگا۔ جب آپ اپنے حالات میں اچھا پلٹا کھائیں گے تو آسمانوں میں آپ کے حق میں اچھے فیصلے ہوں گے۔ اور جب آپ اپنے حالات میں بری تبدیلیاں لائیں گے، برا پلٹا کھائیں گے تو پھر برے فیصلے ہوتے ہیں آسمانوں پر۔

اسی کو کہا گیا ہے ''اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ'' تمہارے اعمال ہی تمہارے حاکم ہیں۔ جیسے اعمال کروگے ویسے حکام تمہارے اوپر مسلط کر دیئے جائیں گے۔

حالات سے بددل ہونے کی ضرورت نہیں

کہنے کا منشاء یہ ہے کہ حالات سے نہ تو بددل ہونے کی ضرورت ہے اور نہ بددل ہوکر اپنے عقیدے اور اپنے ایمان میں کمزوری لانے کی ضرورت ہے بلکہ اپنے ایمان اور عقیدے میں اور مضبوطی لانے کی ضرورت ہے، حالات اس لئے آتے ہیں کہ آدمی اپنے اعمال میں اور پختہ ہو جائے۔

امت اگر بیمار ہو جائے تو اس کو اور زیادہ احتیاط سے چلنے کی ضرورت ہے

جیسے ایک آدمی ہے بہت ہی احتیاط کے ساتھ زندگی گذارتا ہے، کھانا پینا سب کچھ اس کا بڑا حساب سے ہوتا ہے، پھر یہی آدمی اگر بیمار ہو جائے تو اور حساب سے کام کرنے لگتا ہے، اور زیادہ احتیاط برتنے لگتا ہے۔ تو اسی طرح سے اگر امت بیمار ہو جائے تو امت کو چاہیئے کہ وہ اور زیادہ احتیاط سے چلنے لگے، اور زیادہ تقویٰ کی راہ اختیار کرے، اور زیادہ پرہیزگاری اختیار کرے۔

یہ نہیں ہے کہ اس راستہ سے منحرف ہو جائے اور اس راستہ سے ہٹ جائے ، اس لئے کہ حالات تو سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور کوشش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو بنیادی چیز ہے ایمان و عقیدہ، اللہ تعالیٰ پر توکل، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اس کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہنے کی ضرورت ہے، اس میں کسی سمجھوتے کی گنجائش نہیں ہے۔

تمہیں ہر حال میں مسلمان ہونے کی حالت میں مرنا ہے

اور پھر جیسا کہ استقامت کی مثال دی تھی اس طرح ہو، ایسا نہ ہو کہ ٹھنڈی میں رمضان کا روزہ رکھے اور گرمی کے دنوں میں رمضان کا روزہ چھوڑ دے، اور نماز کی مثال اوپر دے چکا ہوں ، ہر آن مسلمان بن کر رہنا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''یَـا اَیُّھَـا الَّذِیْنَ آمَنُو اتَّقُوا اللّٰہ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَ لَا تَمُوْ تُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْن '' (سورۃ آل عمران:۱۰۲) یہ آیت وہ ہے جو نکاح کے خطبہ میں بھی پڑھی جاتی ہے کہ اے ما یمان والو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان رہو۔ یعنی مرتے دم تک مسلمان رہنا ہے، اور یہ پتہ نہیں ہے کہ موت کب آئے گی؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو ہر لمحہ اور ہر سیکنڈ اس کی فکر رکھنی ہے اور یہ جائزہ لیتے رہنا ہے کہ ہم ایمان میں ہیں کہ نہیں ہیں؟ ہماری ایمانی حالت ہے کہ نہیں ہے؟ اس لئے کہ یہ بالکل ہوسکتا ہے کہ ہم نماز بھی نہ پڑھ پائیں، نماز کے لئے کھڑے ہوں اور ہماری روح پرواز کر جائے۔ روزانہ ایسے تماشے ہو رہے ہیں اور روزانہ ایسی خبریں آتی رہتی ہیں کہ جوان آدمی تھا کھڑا ہوا کمرے میں اندر آنے کے لئے، گرا اور انتقال ہو گیا۔ جب یہ حال ہے اور ہمیں حکم یہ ہے کہ ''تمہیں موت اسلام ہی کی حالت میں آنی چاہئے'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو ہر وقت اس کی فکر رہنی چاہئے کہ ہمارا ایمان ہمارے پاس ہے کہ نہیں؟ ہمارا اسلام ہمارے پاس ہے کہ نہیں؟ ہم مسلمان ہیں کہ نہیں؟

ایک واقعہ

ایک واقعہ میں آپ کو بتاتا ہوں، ایک جگہ گیا تھا، ایک صاحب نے کہا کہ ہمارے گھر چلے چلئے، ہمیں ان کی آمدنی کے بارے میں شبہ تھا، جو انھوں نے خود ہی بتلایا تھا کہ مشکوک ہے، میں نے کہا کہ چلا

تو چلوں گا لیکن مجھے کچھ کھلایئے پلایئے گا نہیں۔ انھوں نے کہا کہ ایسا ہے حضرت، چلے چلئے اور کھا لیجئے گا اور توبہ کر لیجئے گا۔ ارے سوال یہ ہے کہ کھالیں اور توبہ کرنے کا موقع ہی نہ ملے؟ جان نکل جائے تو کیا کریں گے؟ یہ ہے ''اِلَّا وَ اَنْتُم مُسْلِمُوْن'' کا مطلب کہ اس حال میں موت آنی چاہئے کہ تم مسلمان ہو۔

آج سب سے بڑی آزمائش یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو اسلام پر اس حال میں باقی رکھیں کہ اسلام کے داعی بھی رہیں، ہمارا عمل، ہمارا کردار، ہمارا قول وفعل یہ بتائے کہ ہم مسلمان ہونے کی وجہ سے ایسے ہیں۔

مسلمان تو ایسا ہوتا ہے..

مسلمان ایسا ہوتا ہے کہ مسلمان اپنا بھی خیال رکھتا ہے اور اپنے پاس پڑوس والوں کا بھی خیال رکھتا ہے، دوسروں کا بھی خیال رکھتا ہے، حتیٰ کہ جانوروں تک کا خیال رکھتا ہے، مسلمان جب کسی انسان کو دیکھتا ہے کہ وہ ٹھنڈک سے ٹھٹھر رہا ہے تو یہ نہیں دیکھتا ہے کہ ہمارا رشتہ دار ہے، ہمارے مذہب کا ہے یا دوسرے مذہب کا ہے اور یہ بھی نہیں دیکھتا کہ وہ انسان ہے یا جانور؟ اگر وہ ایک کتے کو بھی دیکھتا ہے کہ ٹھٹھر رہا ہے تو اس کو بھی اڑھا دیتا ہے۔ اس کو بھی گرمی پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، اس کو بھی آرام پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ہے اسلام کی تعلیم جس پر قرآن مجید کی آیتیں گواہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث گواہ ہیں۔ اور ہمارے بزرگوں کی سیرت اور ان کے اخلاق اور ان کے اعمال گواہ ہیں۔

کوئی ایسا عمل نہ کریں جس سے ایمان پر دھبہ لگ جائے

یہ ہے وہ چیز جس کو آپ گرہ دے لیجئے کہ ہمیں ہر لمحہ اس بات کی فکر رکھنی ہے کہ ہماری بات، ہمارا فعل اور ہمارا عمل ایسا تو نہیں ہے کہ جس سے ہمارے ایمان پر دھبہ پڑ رہا ہو۔ بس اگر یہ چیز ہو جائے تو کامیابی کی کنجی آپ کے پاس ہے، بس اس کو گھمانے کی دیر ہے اور انقلابات تو اللہ تعالیٰ لاتے ہیں، تبدیلیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، اس لئے وہ مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ ''لاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰه'' (سورۂ زمر: ۵۳) اللہ کی رحمت سے ناامید اور مایوس مت ہونا، کوئی بھی معاملہ ہو، چھوٹا معاملہ یا بڑا معاملہ، انفرادی معاملہ ہو یا گھریلو معاملہ، ملکی معاملہ ہو یا غیر ملکی، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

رمضان کے روزے کی اہمیت اور فضیلت
اور اس میں دو خاص عبادتیں

مولانا سید محمد راشد
استاذ دار العلوم مرکز اسلامی ۔راجہ پور الہ آباد

رمضان کا روزہ دین اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے،جس طرح مسلمان پر دن بھر میں پانچ نمازیں فرض ہیں،جس کے پاس ضرورت اصلیہ سے زائد اتنا مال ہو کہ مکہ مکرمہ جا کر واپس آ سکتا ہو اس کے لئے زندگی بھر میں ایک مرتبہ بیت اللہ شریف کا حج کرنا فرض ہے، جو صاحب نصاب ہو اس کے اوپر سال بھر میں ایک مرتبہ زکوۃ دینا فرض ہے

اسی طرح جب رمضان المبارک کا مہینہ آ جائے تو پورے تیس دن کا روزہ رکھنا ہر مسلمان کے لئے فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ روزہ کی فرضیت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَام كَمَا كُتِبَ عَلى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُم لَعَلَّكُم تَتَّقُوْن (سورۃ البقرۃ:۱۸۳)

اے ایمان والو،تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کئے
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے قیام (تراویح) کو سنت قرار دیا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے روزے کی اہمیت وفضیلت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

حدثنا النضر بن شيبان قال : قلت لأبي سلمة بن عبد الرحمن : حدثني بشيئي سمعته من أبيک سمعه أبوک من رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس بين أبيک و بين رسول الله صلى الله عليه وسلم أحدفي شهر رمضان قال : نعم حدثني أبي قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ان الله تبارک و تعالیٰ فرض صيام رمضان عليكم و سننت لكم قيامه ، فمن صامه و قامه ايماناً و احتسابا خرج من ذنوبه كيوم ولدته امه ''

(سنن نسائی، کتاب الصیام، ح:۲۲۱۲)

رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کئے اور میں نے تمہارے لئے اس کے قیام (تراویح) کوسنت قرار دیا۔ پس جوشخص اس کا روزہ رکھے اوراس میں قیام کرے ایمان کے ساتھ اورثواب کی امید سے وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی نکل گیا جس دن اس کی ماں نے جنا تھا۔

رمضان کے روزے کی اہمیت

رمضان کا روزہ اپنے اندر بڑی اہمیت کا حامل ہے، یہ ایک مہینہ تقوی والی زندگی گذارنے کے لئے ایک ٹریننگ ہے جو کہ رمضان کے علاوہ گیارہ مہینے ہمیں اسی طرح گناہوں اور بے حیائیوں کے کام سے بچ کر رہنے کی تلقین کرتی ہے اور ہم کو متقیوں میں شمار کرانا چاہتی ہے، لیکن آج ہمارا حال رمضان کے روزوں کے حوالہ سے بہت افسوسناک ہے اوراس سلسلہ میں خاص طور سے مسلم نوجوانوں میں بڑی کوتاہیاں اورلاپرواہیاں سامنے آرہی ہیں۔

معمولی معمولی عذروں کی وجہ سے روزے نہ چھوڑیں

بہت سے لوگ معمولی معمولی اعذار کے بناء پر رمضان کے روزے چھوڑ کر اس کی بے پناہ رحمتوں اور برکتوں سے اپنے آپ کو محروم کر لیتے ہیں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه يقول: قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم : اذا دخل رمضان فتحت أبواب السماء و غلقت أبواب جهنم وسلسلت الشياطين " (صحیح البخاری، کتاب الصوم، ح:۱۸۹۹۔صحیح مسلم، کتاب الصیام، ح:۱۰۷۹۔سنن النسائی، کتاب الصوم، ح:۲۱۰۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں اور شیطانوں کو بیڑیاں ڈالدی جاتی ہیں۔

رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ نے نیکیاں کمانے کے لئے کچھ مخصوص عبادتوں کو بھی متعین فرمایا ہے تاکہ مومن بندے اس پر عمل کر کے اپنے دامن کو نیکیوں اور ثواب سے بھرلیں۔

رمضان مبارک کی دوخاص عبادتیں

رمضان المبارک میں دوخاص عبادتیں اور ہیں جن کا بہت اہتمام کرنا چاہئے اس میں سے ایک نماز تراویح ہے اور دوسرے اعتکاف۔

تراویح

تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت کفایہ ہے یعنی اگر محلّہ کی مسجد میں نماز تراویح جماعت سے پڑھی جائے اور کوئی شخص گھر میں اکیلا پڑھ لے تو گناہ گار نہ ہوگا لیکن محلّہ کے سب لوگ جماعت سے نہ پڑھیں تو سب گناہ گار ہوں گے۔

تراویح کی نماز دو دو رکعت کر کے بیس رکعت پڑھی جاتی ہے نیز تراویح میں پورے مہینہ میں ایک مرتبہ قرآن مجید ختم کرنا سنت ہے۔

اعتکاف

ایسی مسجد میں جس میں جماعت کے ساتھ نماز ہوتی ہے عبادت سمجھ کر اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنے کو ''اعتکاف'' کہتے ہیں۔

عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعتكف العشر الأواخر من رمضان " (صحيح البخارى ، كتاب الاعتكاف ، ح: ٢٠٢٥)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے

آخری دس دنوں کا اعتکاف فرماتے تھے۔

عن أبی هريرة قال : كان النبی صلی الله عليه وسلم يعتكف كل رمضان عشرة أيام فلما كان العام الذی قبض فيه اعتكف عشرين يوماً''

(سنن ابی داود، کتاب الصیام، ح:۲۴۶۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں دس دن کا اعتکاف فرماتے تھے، پس جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

رمضان شریف کے آخری دس دنوں کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے، اس کی شروعات بیس تاریخ کی شام یعنی سورج ڈوبنے کے وقت سے ہوتی ہے اور عید کا چاند دیکھتے ہی ختم ہو جاتا ہے، چاہے انتیس تاریخ کا چاند ہو یا تیس کا۔ یہ اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، یعنی بعض لوگوں کے کر لینے سے سب کے ذمہ سے ادا ہو جاتا ہے۔

صلوٰۃ الرسول ﷺ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز'' (اردو، ہندی)

کلمات استناد: مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

کارِ خیر اور صدقہ جاریہ نیز اپنے مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لئے نماز کی کتاب کو زیادہ سے زیادہ تقسیم کریں اور عنداللہ ثواب کے مستحق بنیں

خواتین اسلام جو علم وفضل، ادب وآگہی اور ہدایت ومعرفت کا منبع ومرکز تھیں

سیریز (۲۴)

نواسیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت امامہ بنت ابو العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری

حضرت امامہ بنت ابو العاص رضی اللہ عنہا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بیحد عزیز تھیں یہاں تک کہ ان کو نماز کی حالت میں بھی اپنے سے جدا نہیں فرماتے تھے۔

حضرت امامہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کندھوں پر بیٹھاتے اور سینے پر لٹا لیتے تھے۔

حضرت امامہ رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گود میں لے کر نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

حضرت امامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صاحبزادی ہیں۔

حضرت امامہ کی نانی ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور دادی ہالہ بنت خویلد تھیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کی خالہ جان تھیں۔

خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کے خالو جان تھے۔

والدہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان کی پرورش کا شانۂ رسالت میں اپنے

ناناحضورصلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی میں ہوئی۔

حضرت امامہ بنت ابو العاص رضی اللہ عنہا کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وہ انگوٹھی عطا فرمائی جو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے آپ کو ہدیۃً بھیجے تھے جس کا نگینہ حبشہ کا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ انگوٹھی میں اسے دوں گا جس سے میں سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں ،لوگوں کو یہ گمان تھا کہ انگوٹھی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ملے گی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ انگوٹھی ان کی انگلی میں پہنادی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا گیا جس میں سفید اور سیاہ جوہرات کا ہار بھی تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اسے اپنے سب سے محبوب کو دوں گا،عورتیں کہنے لگیں: آپ اسے ابو قحافہ کی بیٹی (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو دیں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نواسی امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اپنے ہاتھ سے وہ ہار ان کے گلے میں ڈال دیا۔

حضرت امامہ بنت ابوالعاص کی یہ خصوصیت ہے کہ رسول دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نواسی کے آنکھ کا میل اپنے ہاتھوں سے صاف کیا۔

نسب نامہ:

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: امامہ بنت ابوالعاص بنت ربیع بن عبد العزی بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔

والدہ کی جانب سے آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: امامہ بنت زینب بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم۔

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کی والدہ مکرمہ

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام زینب بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سن ۸ ہجری میں ہوئی، ان کی وفات سے ان کے شوہر

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو بڑا صدمہ ہوا،حضور صلی اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی،حضرت ابو العاص اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نماز جنازہ ادا کی اور جنۃ البقیع میں تدفین ہوئی۔

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش مکۃ المکرّمہ میں ہوئی،آپ کے سن ولادت کے بارے میں معتبر تاریخ وسیر کی کتابیں خاموش ہیں۔

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی

حضرت امامہ کے والد گرامی حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا شمار ان خوش نصیب لوگوں میں ہوتا ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشے کی ہمراہی نصیب ہوئی اور وہ دامادِ رسول کہلانے کے شرف سے مشرف ہوئے۔

حضرت ابوالعاص کا نام مورخین نے ''مقسم'' یا ''ہشم'' لکھا ہے اور'' ابوالعاص'' کنیت تحریر کی ہے،ان کا تعلق خاندان قریش کی مشہور شاخ ''بنوامیہ'' سے ہے،حضرت ابوالعاص کا سلسلہ نسب ''عبد مناف'' پر جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔

حضرت ابوالعاص نے مکہ میں پرورش پائی،خوبصورت،وجیہہ اور اچھے قد وقامت کے جوان شخص تھے،''جروالبطحاء'' یعنی بطحاء کے شیر کے نام سے مشہور تھے۔وہ فصیح و بلیغ،شیریں زبان،عمدہ خطیب اور اپنے خاندان میں سب کے محبوب تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں حضرت ابوالعاص کے ماموں زاد بھائی ہیں۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا شمار مال اور امانت داری کے لحاظ سے مکہ مکرمہ کے گنے چنے لوگوں میں ہوتا تھا،ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوالعاص کو اپنے بیٹے ہی جیسا سمجھتی تھی،''السیرۃ النبویۃ'' میں ہے'' و کانت تعدہ بمنزلۃ ولدھا ''یعنی حضرت خدیجہ ان کو اپنا بیٹا ہی شمار کرتی تھیں۔(السیرۃ النبویۃ،۲/۲۶۳)

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی شادی اوران کی قبولیت اسلام کا دلچسپ واقعہ

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اوران کی باتوں کا بڑا خیال فرماتے تھے،اس لئے بعثت سے پہلے جب خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینب کی شادی حضرت ابوالعاص سے کرنے کی درخواست کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمالیا۔

حضرت زینب اور حضرت ابوالعاص سے ایک صاحبزادے ''علی''اور بیٹی ''امامہ'' پیدا ہوئیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو حضرت خدیجہ اور آپ کی صاحبزادیوں نے اسلام قبول کرلیا،حضرت ابوالعاص اپنے آباء واجداد اور اپنی قوم کے خوف سے کہ کہیں ان کے قوم والے، دوست واحباب یہ نہ کہیں کہ ابوالعاص نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا شرک پر قائم رہے، چنانچہ حضرت ابوالعاص اپنی بیوی اور دونوں بچوں کے ساتھ بڑی محبت اور حسن سلوک کے ساتھ مکہ میں زندگی گذارتے رہے۔

میں اپنی شریک حیات سے جدا نہ ہوں گا

قریش مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد ابوالعاص کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ ''اپنی بیوی کو چھوڑ دو ، ہم تمہاری شادی قریش کی جس عورت سے کہو گے کرادیں گے''۔

حضرت ابوالعاص نے ان کے جواب میں فرمایا:''**لا ،والله انی لا افارق صاحبتی ، و ما احب ان بی بامرأتی امرأة من قریش** ''یعنی ایسانہیں ہوسکتا،اللہ کی قسم میں اپنی شریک حیات سے جدا نہ ہوں گا اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میری بیوی کے بدلے قریش کی کوئی دوسری عورت مجھے ملے۔السیرۃ النبویۃ لابن ہشام،۲/۲۶۳)

ابوالعاص نے ہماری دامادی کا حق ادا کردیا

جب شعب ابی طالب میں بنو ہاشم محصور کردئے گئے اوران کے اوپر پانی دانہ سب بند کردیا گیا تو اس وقت حضرت ابوالعاص ان محصورین کی اس طرح مدد وتعاون فرماتے رہتے کہ غلہ اور کھجور

سے لدے اونٹوں کو شعب ابی طالب میں ہنکا دیتے تھے اسی سے خوش ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ: ''ابوالعاص نے ہماری دامادی کا حق ادا کر دیا''۔ (ناسخ التواریخ، جلد دوم، کتاب اول، وقایع بعداز ہبوط آدم تا ہجرت، ورق ۶۲۱۰ طبع تہران، طبع محلی در کارخانہ آقا میر باقر تہرانی)

تاریخ ابن ہشام میں لکھا ہے کہ:

''و کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یثنی علیه فی صهره خیراً'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بہترین داماد ہونے کی تعریف فرماتے تھے۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ۲۶۳/۲)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''....انکحت ابا العاص بن الربیع فحدثنی و صدقنی'' یعنی میں نے ابوالعاص بن ربیع سے (زینب) کا نکاح کیا تو انھوں نے مجھ سے جو قول و قرار کیا اس میں سچے ثابت ہوئے۔

(صحیح البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب ذکر اصہار النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۳۵۲۳)

چار لوگوں پر مشتمل یہ چھوٹی سی فیملی مکہ ہی میں قیام پذیر تھی کہ غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آ گیا، اور ابو العاص مکہ سے مشرکین کے ساتھ اپنے خسر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑنے کے لئے چل پڑے، لیکن چونکہ ایک قلبی مودت کا رشتہ تھا جس کی بناء پر یہ جنگ میں پر جوش نہیں تھے، ان کو عبد اللہ بن جبیر بن نعمان انصاری نے قید کر لیا، جب جنگ ختم ہوئی تو مکہ میں یہ خبر پھیل گئی کہ ابوالعاص قیدی بنا لئے گئے ہیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا لوگوں سے دریافت فرماتیں کہ میرے بابا جان کا کیا حال ہے؟ میرے شوہر کا کیا ہوا؟

لوگ ان کو بتاتے کہ مسلمان جنگ جیت گئے ہیں اور تمہارے شوہر اپنے خسر کی قید میں ہیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا میں اپنے شوہر کا فدیہ بھیج کر چھڑا لوں گی، لیکن ان کے پاس تو فدیہ بھیجنے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی اس لئے انھوں نے اپنی والدہ مکرمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وہ قیمتی ہار جس کو ان کی والدہ نے انہیں عطا فرمایا تھا دے کر ابوالعاص کے بھائی عمرو بن ربیع کو دربارِ رسالت میں بھیجا۔

ادھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں سے فدیہ لے کر چھوڑ رہے تھے کہ حضرت خدیجہ

رضی اللہ عنہا کے ہار پر نظر پڑی تو دریافت فرمایا:

یہ کس کا فدیہ ہے؟

لوگوں نے عرض کیا:

یہ ابوالعاص بن الربیع کا فدیہ ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

یہ تو خدیجہ کا ہار ہے، پھر کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا:

’’ان رأیتم ان تطلقوا لها اسیرها و تردو الذی لها، فافعلوا ، فقالوا : **نعم**‘‘ (۶) (الاستیعاب لابن عبدالبر، ۴/۲۶۴ (باب العین: ابوالعاص)

لوگو، کیا میں اس کو رہا کر دوں؟ اگر تم اجازت دو تو میں اس کا ہار بھی اس کو واپس کر دوں؟

حاضرین نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہار ابوالعاص کو دے دیا اور ارشاد فرمایا:

اے ابوالعاص، اللہ تعالیٰ نے مجھے کافر شوہر اور مسلمان بیوی کے درمیان جدائی کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے میری بیٹی کو میرے حوالے کرو گے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔

تاریخ ابن ہشام میں ہے جب ابوالعاص مکہ کے لئے چل پڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہما کو ان کی طرف روانہ کیا اور ان سے فرمایا: ’’**کونا ببطن یاجج حتی تمر بکما زینب ، فتصحبا ها حتی تأتیانی بها** ‘‘یعنی تم دونوں بطن یاجج میں انتظار کرو یہاں تک کہ زینب کا تمارے پاس سے گذر ہو تو تم دونوں اس کے ساتھ سفر کرو حتی کہ اسے لے کر میرے پاس پہنچ جاؤ۔

ادھر یہ ہوا کہ ابوالعاص نے حضرت زینب کو سفر کے لئے تیار کر دیا اور جب وہ تیاری کر چکیں تو حضرت زینب کے سسرالی رشتہ دار اور ابوالعاص کے بھائی کنانہ بن ربیع نے ان کے لئے اونٹ بیٹھا دیا، وہ اس پر سوار ہو گئیں اور انھوں نے بھی اپنا تیر کمان لیا پھر دن کے اجالے میں اونٹنی لے کر چل پڑے۔ قریش کے لوگوں کو معلوم ہوا تو ان لوگوں نے ان کا راستہ روک لیا، اس میں ہبار

بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزی پیش پیش تھا۔ ہبار نے حضرت زینب کے ہودج کی طرف تیر چلائے ،حضرت زینب کے دیور کنانہ نے اونٹنی کو بٹھایا اور اپنا ترکش سنبھالا اور بولا جو بھی قریب آئے گا میں اس کے سینے میں تیر پیوست کردوں گا۔ ان کی یہ بات اثر کر گئی اور وہ سب منتشر ہو گئے۔

اتنے میں ابوسفیان قریش کے بعض لوگوں کے ساتھ آ گئے اور کنانہ سے کہنے لگے کہ ذرا تیر روکو، ہم کو تم سے کچھ بات کرنی ہے، وہ رک گئے،سفیان آگے بڑھے اور کہنے لگے:

دیکھو،تم ان خاتون کو علی الاعلان لے کر نکل پڑے ہو، جبکہ تم کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف کیسی شکست ہوئی ہے،اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو ایسے لے کر نکلو گے تو لوگ کیا کہیں گے اور یہ ہماری کمزوری کی علامت سمجھی جائے گی ،ہم قسم کھاتے ہیں کہ ہم ان کو نہیں روکیں گے اور نہ ہی کوئی انتقام لیں گے،ابھی تم واپس چلو، جب معاملہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو خاموشی سے لے جا کر پہنچا دینا۔

چنانچہ وہ زینب کو لے کر لوٹ گئے اور کچھ راتیں مکہ میں قیام کر کے دوبارہ رات کے وقت حضرت زینب کو لے کر روانہ ہوئے اور ان کو زید بن حارثہ اور ان کے ساتھی کے سپرد کر دیا، اور ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا دیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام،۲/۲۶۴،۲۶۵)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ:

’’**ان هبارا نخس بها الراحلة فسقطت على صخرة وهى حامل فسقط جنينها ، و لم تزل تهريق الدم حتى ماتت بالمدينة بعد اسلام بعلها ابى العاص**‘‘یعنی ہبار نے اونٹنی کے پہلو میں نیزہ چبھودیا جس سے حضرت زینب ایک پتھریلی چٹان پر جا گریں وہ حاملہ تھیں،ان کا حمل ساقط ہوگیا ان کے مسلسل خون بہتا رہا یہاں تک کہ اپنے شوہر ابوالعاص کے اسلام لانے کے بعد مدینہ میں انتقال کر گئیں۔

(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام،۲/۶۶۵،حاشیہ۴،بحوالہ الاستیعاب والروض الانف للسہیلی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:’’**هى افضل بناتى أصيبت فى** ‘‘وہ میری

بیٹیوں میں انتہائی فضیلت والی ہیں جن کو میری راہ میں اذیت پہنچائی گئی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی، جماع ابواب غزوۃ بدر، باب ماجاء فی زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ج:۳، ص:۱۵۶)

حضرت ابوالعاص اپنی شریک حیات کی پناہ میں

حضرت ابوالعاص فتح مکہ سے پہلے تجارت کی غرض سے باہر نکلے، ان کے ساتھ مشرکین مکہ بھی تھے اور ان کے ساتھ ان کے سامان تجارت بھی تھے، واپسی پر مدینہ منورہ کے قریب مقام ''عیص'' پر ایک ایسے اسلامی سریہ سے ملاقات ہوگئی جس کے امیر حضرت زید بن حارثہ تھے، اس دستہ نے ان کو پکڑ لیا، ان کو قیدی بنالیا، ان کے مال پر قبضہ کرلیا، جب یہ دستہ مدینہ میں داخل ہوا تو ابوالعاص دستہ سے بھاگ کر سحری کے وقت اپنی شریک حیات کے پاس پہنچے اور ان سے پناہ مانگی، انھوں نے اپنے شوہر کو پناہ دیدی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت زینب نے اپنے دروازے پر کھڑے ہوکر بلند آواز سے کہا: (ایک روایت میں ہے کہ آپ نے نماز فجر کے درمیان ہی حضرت زینب کی آواز سنی)

''**انی قد أجرت ابا العاص بن الربیع** ''میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''**هل سمعتم ما سمعت؟ قالوا : نعم** '' کیا تم لوگوں نے وہ سنا جو میں نے سنا ہے؟ لوگوں نے کہا: جی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''**فوالذی نفسی بیده ما علمت بشیئی مما کان حتی سمعت الذی سمعتم المؤمنون ید علی من سواهم یجیر علیهم أدناهم ، و قد أجرنا من اجارت** ''قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو کچھ ہوا مجھے اس میں سے کچھ معلوم نہیں تھا یہاں تک کہ میں نے وہ سنا جو تم لوگوں نے سنا۔ مومنین دوسروں کے مقابلے میں ایک ہاتھ کی طرح ہیں ان کا کوئی ادنی شخص بھی ان کی جانب سے دوسروں کو پناہ دے سکتا ہے۔ پس جس کو اس (زینب) نے پناہ دی ہے ہم نے بھی اسے پناہ دے دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے گھر تشریف لائے،اور صاجزادی سے فرمایا کہ:

ان کے آرام وآسائش کا خیال رکھنا اوران کے قریب مت جانا کہ تم اس کے لئے حلال نہیں ہو۔

صاجزادی زینب نے عرض کیا: ابا جان،ابوالعاص تو اپنا مال لینے آیا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اہل سریہ کو جمع کیا اور فرمایا:

تم لوگ جانتے ہو کہ اس آدمی کا ہمارے ساتھ کیا تعلق ہے،تم نے جو مال ان سے لیا ہے وہ مال فئے ہے اور تمہارے لئے حلال ہے،لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ تم احسان کرو اور یہ مال انہیں واپس کردو اور اگر نہ واپس کرنا چاہو تو یہ تمہارا حق ہے۔

اہل سریہ نے مال واپس کردیا اور ابوالعاص مال جمع کر کے مکہ روانہ ہو گئے،مکہ پہنچ کر ہر حقدار کا حق تجارت ادا کردیا اور اپنے اسلام کا اعلان کر کے دوبارہ مدینہ رسول اللہ کے سپاہی اور اسلام کی داعی بن کرسن ےھ ء میں لوٹے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو دوبارہ ان کی نکاح میں دیدیا۔اس طرح وہ دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کے شرف سے مشرف ہوگئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے خالوجان تھے

حضرت ابوالعاص کی والدہ محترمہ ہالہ بنت خویلد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں،اس طرح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوالعاص کی حقیقی خالہ ہوئیں اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے حقیقی خالو ہوئے۔

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا شمار قبیلہ قریش کے صاحب ثروت لوگوں میں ہوتا تھا،تجارت آپ کا پیشہ تھا،نہایت عقلمند،شریف اور خوش اخلاق،بہادر اور جری انسان تھے۔بعثت سے قبل آپ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاجزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوگیا تھا،جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اپنی والدہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ آغوش اسلام میں آگئیں۔

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کی شادی

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح فرمالیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ کی وصیت کے مطابق مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب نے ان سے نکاح کرلیا، یہاں پر حضرت امامہ کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا، بعض روایات میں آتا ہے ان کے بطن سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ چنانچہ بعض سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے یہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں اولاد ہوئیں۔

اخلاق وعادات

حضرت امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ عنہا بڑے عمدہ اخلاق اور بلند کردار کی خاتون تھیں، جن کے نانا خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور نانی ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ ہوں، خالائیں حضرت رقیہ، حضرت کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن ہوں ان کے اخلاق اور عادات کا کیا کہنا؟ اس کا اندازہ اسی سے لگا لینا چاہیے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جب انتقال ہونے لگا تو انھوں نے اپنے شوہر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلینے کی وصیت فرمائی تھی۔

حضرت امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں حضرت ابوقتادہؓ کی روایت

صحیح بخاری میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

”عن أبی قتادہ الأنصاری أن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یصلی وهو حامل أمامة بنت زینب بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم، و لأبی العاص بن ربیعة بن عبد شمس فاذا سجد وضعها و اذا قام حملها“ (بخاری:۵۱۶، ۵۹۹۶، کتاب الادب)

حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بعض اوقات) نماز پڑھتے وقت اٹھائے ہوتے تھے، ابوالعاص بن ربیعہ

بن عبد شمس کی روایت میں ہے کہ سجدہ میں جاتے تو اتار دیتے اور جب قیام فرماتے تو اٹھالیتے۔

وفات

حضرت امامہ بنت ابوالعاص رضی اللہ عنہا کی وفات سن ۵۰ ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانہ میں ہوئی، بعض مراجع میں آپ کی وفات کا سن ۶۶ ھ لکھا ہوا ہے، (آمین)

مراجع:

۱۔مسند احمد، بیت الافکار الدولیۃ
۲۔بخاری، دارالسلام للنشر والتوزیع
۳۔مسلم، دارالسلام للنشر والتوزیع
۴۔المعجم الکبیر للطبرانی،
۵۔الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ اردو، علامہ ابن حجر عسقلانی، مکتبہ رحمانی لاہور
۶۔اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، مؤرخ ابن اثیر، المیزان، اردو بازار، لاہور
۷۔اعلام النبلاء للذہبی، بیت الافکار الدولیۃ
۸۔اعلام النساء، عمر رضا کحالہ
۹۔السیرۃ النبویۃ لابن ہشام
۱۰۔دلائل النبوۃ۔بیہقی
۱۱۔الاستیعاب۔حافظ ابن عبد البر
۱۲۔ناسخ التواریخ، طبع تہران، طبع محلی در کارخانہ آقا میر باقر تہرانی

اللہ کی پکار

اے لوگو!!!

زیر نگرانی: مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

جسم و روح کو لرزا دینے والی کتاب

ایک مرتبہ ضرور مطالعہ کریں

اور دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کریں

ملنے کا پتہ: مکتبہ الاشرف۔آزاد نگر، کرامت کی چوکی، کریلی۔الہ آباد۔موبائل: 7839216040

اسلام کے غدار
دوست کی شکل میں دشمن جو آستین کے سانپ تھے

غدار ہی غدار

مولانا محمد اسماعیل ریحان

نقارے اور ڈھول بج رہے تھے۔
ان کی آواز ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک پہنچ رہی تھی۔
جہاں جہاں یہ آواز پہنچتی وہاں بھی کچھ لوگ ڈھول پیٹنے لگتے۔
اس آواز میں ایک عجیب ہیبت تھی۔
لگتا تھا کوئی لاشوں پر بین کر رہا ہے۔
مجاہدین تھے جو اپنے اپنے ٹھکانوں پر ان ڈھولوں کی دھمک سن کر حیران ہو رہے تھے۔
مجاہدین نے گاؤں والوں سے پوچھا:
''کیا بات ہے؟ نقارے بج رہے ہیں، ڈھول پیٹے جا رہے ہیں؟''
جواب آیا: کوئی بات نہیں ہے، جوار کاٹنے کا موقع ہے، سب دیہاتوں والے ایک دوسرے کو اس کی اطلاع دے رہے ہیں کہ کل سے جوار کی کٹائی شروع کرنی ہے''

مجاہدین بے فکر ہو کر اپنے معمولات میں مشغول ہو گئے، انہیں کیا معلوم تھا کہ ان کے خلاف ایک بھیانک سازش تیار ہو چکی ہے۔

یہ نقارے جوار کی کٹائی کے لئے نہیں بج رہے تھے، یہ تو سربسجود گردنوں کی کٹائی کا پیشگی ماتم کر رہے تھے۔

یہ وہ مجاہدین تھے جو سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ اپنا وطن چھوڑ کر صوبہ سرحد آ گئے تاکہ خدا کی زمین پر خدا کا نظام نافذ کریں اور برصغیر کو کفار کے پنجے سے آزاد کرائیں۔

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے صوبہ سرحد کے علاقے ''پنج تار'' میں مرکز قائم کیا تھا جہاں

سینکڑوں مجاہدین مقیم تھے۔ان کے علاوہ سینکڑوں مجاہدین دور دراز کی بستیوں، دیہاتوں اور شہروں میں پھیلے ہوئے تھے اور وہاں کا انتظام سنبھالے ہوئے تھے، ان کے عدل وانصاف اور اسلامی نظام سے عوام بہت خوش تھے مگر اندر ہی اندر بہت سے لوگ مجاہدین کے خلاف ہو چکے تھے، وہ انہیں قتل کرانا چاہتے تھے، انہیں مجاہدین کے خون کا پیاسا کس نے بنایا؟ یہ بھیانک حقیقت مجاہدین کا انمول خون بہہ جانے کے بعد کھلی جسے ہم بالکل آخر میں ذکر کریں گے۔

پشاور کا حاکم سلطان محمد خان سید احمد شہیدؒ کی تحریک خلافت کے ابتدائی حامیوں میں سے تھا۔ جب سید احمد شہیدؒ ہندوستان سے سرحد آئے تو اس نے ان کی بڑی میزبانی کی، دعوتیں کیں، ان کے ہاتھ پر جہاد کی بیعت کی۔

ان دنوں سلطان محمد کی اپنے بھائی دوست محمد خان سے دشمنی چل رہی تھی، سید صاحب نے ان دونوں میں صلح کرانے کے لئے بڑی کوشش کی، اپنے بہت سے اہم کام ترک کر کے پورے چالیس روز وہاں قیام کیا اور ان کی دشمنی ختم کرائی۔

کچھ عرصہ تک سلطان محمد سید صاحب کا مددگار رہا مگر پھر اس کے دل میں غداری کے جراثیم پیدا ہو گئے، وہ غدار یار محمد خان کا سگا بھائی تھا، یار محمد کی غداری اور عبرتناک موت کے بعد وہ مشتعل ہو گیا، سید احمد شہید اور ان کے مجاہدین سے اس کی عداوت روز بروز بڑھنے لگی، اس نے کئی بار مجاہدین کو دھوکہ دیا، غداری کی، مگر ہر مرتبہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ درگذر کرتے رہے۔

اپنے بھائی یار محمد کی موت کے بعد اس نے اعلان کیا کہ میں مجاہدین سے اپنے بھائی کا انتقام لوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے ایک لشکر ساتھ لیا اور پشاور سے ہنڈ جا پہنچا جہاں قلعے میں پچاس ساٹھ مجاہدین قیام پذیر تھے۔

سلطان محمد خان نے قلعے کا محاصرہ کر لیا، کئی روز گزر گئے وہ قلعے پر قبضہ نہ کر سکا۔ آخر اس نے مجاہدین سے وعدہ کیا کہ اگر وہ قلعہ خالی کر دیں اور ہتھیار ڈال دیں تو انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ مجاہدین بھوک پیاس سے لاچار تھے، اس کے وعدے پر اعتبار کر لیا۔ اس طرح سلطان محمد خان نے قلعے کا دروازہ

کھلوایا، مجاہدین باہر آئے تو سلطان محمد نے انہیں گرفتار کر لیا اور کہا:

''ان سب کو یار محمد خان کی قبر پر ذبح کروں گا''۔

پنج تار میں سید صاحب کو یہ معلوم ہوا تو فوراً اعلان کیا کہ سلطان محمد خان کے مرکز پشاور پر حملے کی تیاری کرو۔ مجاہدین کوچ کی تیاری کرنے لگے۔ سید صاحب نے یہ اعلان صرف سلطان محمد خان کو ڈرانے کے لئے کیا تھا، یہی ہوا سلطان محمد خان کو خبر ہوئی تو گھبرا کر بڑی افراتفری میں پشاور کی طرف بھاگا اور یوں ہنڈ کا قلعہ خالی ہو گیا۔ اس ہنگامے میں قیدی مجاہدین کو بچ نکلنے کا موقع مل گیا، وہ قید خانے کی دیوار توڑ کر نکل آئے اور سید صاحب سے آملے۔ سید صاحب نے ہنڈ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

پشاور جا کر ایک عرصے تک سلطان محمد خان سید صاحب سے جنگ کی تیاری کرتا رہا۔ پھر کئی سرداروں کو ساتھ ملا کر ایک بڑا لشکر ترتیب دیا اور سید صاحب کے مقابلے پر آیا۔

اس نے سید صاحب کو پیغام بھجوایا:

''تم نے یار محمد کے خلاف رات کو حملہ کیا تھا، اس لئے کامیاب ہو گئے، اب دوپہر کو ہم سے مقابلہ کر کے دیکھنا''

سید صاحب نے جواب بھجوایا:

''جس خدا نے رات کو ہمیں تمہارے بھائی پر فتح دی تھی، وہی دن کو تم پر فتح عنایت کرے گا، بہتر یہی ہے کہ تم خدا سے ڈرو اور ناحق پر اصرار نہ کرو، برائی کا انجام برا ہوتا ہے''

سلطان محمد خان نے یہ پیغام لانے والے مجاہدین کو ڈانٹ کر بھگا یا اور کہا:

''ان قصے کہانیوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے، خبردار! پھر سید کا پیغام ہمارے پاس مت لانا''

سمجھانے بجھانے کی ساری کوششیں ناکام رہیں اور ''مردان'' کے قریب ''مایار'' کے مقام پر مجاہدین کا سلطان محمد خان کی فوجوں سے زوردار معرکہ ہوا، سلطان محمد خان کے اکثر سپاہی شراب پی کر میدان میں کودے تھے، ان میں ایک انگریز افسر بھی شامل تھا، زبردست جنگ کے بعد سلطان محمد کو شکست ہوئی وہ جان بچا کر بھاگا اور پشاور جا کر دم لیا۔

کچھ دنوں بعد سید صاحب بھی مردان سے ہوتے ہوئے پشاور کے قریب جا پہنچے، سلطان محمد خان نے گھبرا کر معافی چاہی اور اطاعت کا وعدہ کیا۔ سید صاحب نے پشاور پر قبضہ کرنے کے بعد سلطان محمد خان کی معذرت قبول کر لی۔ شہر میں اسلامی نظام نافذ کر کے واپس چلے آئے، حکومت محمد خان کے پاس ہی رہنے دیا، یہ سید صاحب کے حوصلے کی انتہاء تھی۔

سید صاحب کے اس لطف وکرم کے باجود سلطان محمد غداری سے باز نہ آیا، اب اس نے میدان میں مقابلہ کرنے کی بجائے خفیہ طور پر مجاہدین کے قتل عام کا منصوبہ بنایا، اس کے ساتھ صوبہ سرحد کے درجنوں دوسرے سردار بھی اس سازش میں شریک تھے۔ ان سب نے طے کیا کہ جن جن دیہاتوں، بستیوں اور شہروں میں مجاہدین موجود ہیں، وہاں یک دم بغاوت کر کے ان سب کو شہید کر دیا جائے، ان دنوں جوار کی فصل کٹنے والی تھی۔ سازشیوں نے یہ بھی طے کیا کہ جس رات مجاہدین کا قتل عام ہو، اس سے پہلے دن تمام بستیوں میں ڈھول اور نقارے بجائے جائیں، تا کہ ہماری آدمی ہتھیار تیار کر لیں، اگر کوئی پوچھے تو کہا جائے کہ یہ جوار کاٹنے کی تیاری کی اطلاع ہے۔

عشاء کا وقت تھا، اندھیرا خوب پھیل چکا تھا کہ اچانک اس خونی کھیل کا آغاز ہو گیا، مولانا مظہر علی اور ارباب فیض اللہ سید احمد شہید کی جماعت کے بزرگوں میں سے تھے، وہ پشاور میں مقیم تھے، غداروں نے انہیں اپنے یہاں دعوت پر بلایا ہوا تھا، انہیں وہیں شہید کر دیا گیا، دوسرے علاقوں میں بھی اندھیرا پھیلتے ہی قتل عام شروع ہو گیا۔ اکثر مجاہدین عشاء کی نماز میں مشغول تھے یا اس کے لئے وضو کر رہے تھے، انہیں وہیں خون میں نہلا دیا گیا۔

ایک گاؤں کے مجاہدین نے باغیوں سے بچنے کے لئے مسجد میں پناہ لی اور کمرے کا دروازہ بند کر لیا، باغیوں نے مسجد کو آگ لگانے کی تیاری کی، گاؤں کے لوگوں نے بمشکل انہیں روکا، علاقے کے علماء اور نیک لوگ قرآن ہاتھوں میں لے کر آگے آ گئے، عورتوں اور بوڑھوں نے اللہ اور رسول کا واسطہ دے کر کہا:

”ان پردیسی مسلمانوں کو قتل نہ کرو، یہ مجاہد ہیں، ہجرت کر کے آئے ہیں“

مگر باغی نہ مانے اور مسجد کو آگ لگانے لگے، مجاہدین یہ دیکھ کر مسجد سے باہر نکل آئے اور تلواریں بے نیام کر لیں، باغیوں نے مسجد میں انہیں کچھ نہ کہا، مگر جب وہ مسجد سے نکل کر بستی کے باہر ایک ندی

کے کنارے پہنچے تو باغیوں نے وہیں گھیر کر سب کو شہید کر ڈالا۔

بعض دیہاتوں میں علماء اور مسجد کے اماموں نے ایک ایک دو دو مجاہدوں کو حجروں میں چھپا کر رکھا اور بعد میں چپکے چپکے علاقے سے باہر پہنچا دیا، یہ گنتی کے چند افراد ہی زندہ سلامت سید صاحب کے پاس پہنچ سکے، باقی سب مظلومانہ شہید ہو گئے۔

کلمہ پڑھنے والوں اور اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کے ہاتھوں مجاہدین کے اس قتل عام سے سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کمر ٹوٹ گئی۔ وہ سمجھ گئے کہ اس علاقے کے لوگوں کے دلوں میں مجاہدین سے ایسی نفرت بیٹھ چکی ہے جسے دور کرنا انتہائی مشکل ہے۔

یہی وجہ تھی کہ یار محمد خان، سلطان محمد خان، خادی خان اور پائندہ خان جیسے با اثر سردار بار بار غداریاں کر رہے تھے، اتنے غداروں کے بیچ میں آخر تحریک جہاد کیسے کامیاب ہو سکتی تھی۔ باوجود اس کے سید صاحب اور ان کے ساتھی حیران تھے کہ ان لوگوں نے ہمارے خلاف ایسی نفرت کا مظاہرہ کیوں کیا؟ سید صاحب نے اب یہ علاقہ چھوڑ کر بالاکوٹ اور کشمیر کی طرف ہجرت کا فیصلہ کر لیا تھا مگر جانے سے پہلے انھوں نے قبائلی سرداروں اور عوام کی ضیافت کی اور اس دوران ان سے مخاطب ہو کر کہا:

''ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہم اپنے وطن سے ہجرت کر کے جہاد کے لئے آپ کے ملک میں آئے، آپ نے ہمارے ہاتھ پر بیعت کی اور شریعت پر عمل کا وعدہ کیا، پھر ہم سے کیا قصور ہوا کہ آپ سب اچانک ہمارے جانی دشمن بن گئے اور ایک دم غداری کر کے سینکڑوں مجاہد شہید کر ڈالے، ہمارے مجاہدین کے ساتھ وہ سلوک کیا جو کافروں کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا، اگر ہم سے ایسا ہی کوئی قصور صادر ہوا ہے تو ہمیں آگاہ کریں''

اس پر سب لوگ خاموش رہے، کسی نے وجہ نہ بتائی، سید صاحب کے بار بار اصرار پر بھی کسی نے کچھ نہ بتایا تو انھوں نے دو علماء کو اس معاملے کی تحقیق کے لئے روانہ فرمایا کہ وہ گھوم پھر کر اصل بات معلوم کریں۔ ان علماء نے تحقیق کے بعد جو رپورٹ پیش کی وہ بڑی لرزہ خیز تھی۔ آج پونے دو سو سال بعد بھی آدمی حیرت کے جھٹکے کھانے لگتا ہے، ذرا جگر تھام کے سنئے کہ ایک دم اتنے غداروں کی کھیپ کیسے پیدا ہو

گئی، انہیں غدار بنانے والے اصل غدار کون تھے؟

بات یہ تھی کہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ پکے مسلمان اور خالص توحید کے علمبردار تھے، وہ شرک و بدعت اور رسم ورواج کے خلاف تھے، مزاروں پر ہونے والی گمراہیوں سے منع کرتے تھے، ہندوستان کے بدعتی علماء نے ان حضرات کو خالص اسلام پھیلاتے دیکھا تو انہیں اپنی دکانیں خطرے میں نظر آئیں، چنانچہ انہیں ''وہابی'' مشہور کر کے بدنام کرنے کی کوشش کی، پھر کچھ عرصے بعد انہیں پتہ چلا کہ سید صاحب اپنے مجاہدین کے ساتھ سرحد و کشمیر میں اسلامی خلافت قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تو یہ بدعتی علماء بڑے پریشان ہوئے، انھوں نے فوراً ان حضرات کے خلاف فتوے لکھے جن میں انہیں گستاخ رسول، اولیاء کے منکر اور وہابی قرار دے کر سرحد کے مسلمانوں کو ان کے خلاف ابھارا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ انہیں اپنے علاقوں سے مار بھگائیں۔ ان فتووں میں لکھا گیا تھا:

''قبائلی سرداروں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ سید احمد نامی ایک شخص تمہارے ملک میں آیا ہے، وہ بظاہر جہاد کا دعویٰ کرتا ہے مگر یہ اس کا فریب ہے، وہ ہمارے اور تمہارے دین کا مخالف ہے، اس نے نیا دین و مذہب نکالا ہے، وہ کسی ولی اور بزرگ کو نہیں مانتا، سب کو برا کہتا ہے، وہ انگریزوں کا ایجنٹ ہے، تم اس کے دام میں نہ آنا، اس کو تباہ کر دو اور اپنے ملک میں جگہ نہ دو، ورنہ تمہیں پچھتانا پڑے گا''۔

فتوے کے نیچے ہندوستان کے بدعتی علماء اور پیروں کی مہریں اور دستخط تھے، یہ فتوے خفیہ طور پر سرحد کے قبائلی سرداروں میں پھیلائے گئے، بہت سے سردار پہلے ہی شریعت کی پابندیوں کو ناگوار محسوس کر رہے تھے، یہ فتوے پڑھ کر وہ اور بپھر گئے، سید صاحب اور مجاہدین کے مخالف بن گئے اور یوں غداری کر کے انھوں نے تحریک جہاد کا خون کر دیا۔

سید احمد شہید بدعتی علماء کی اس سازش پر دل تھام کر رہ گئے، اب ان کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، آخر کار وہ کشمیر کی طرف روانہ ہوئے جہاں بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں سے ان کا تصادم ہوا، اس لڑائی میں سید احمد صاحب اور مولانا شاہ محمد اسماعیل اپنے سینکڑوں مجاہدین سمیت شہید ہو گئے۔ یوں تاریخ ہندوستان کا ایک روشن باب بند ہو گیا۔

ایک عربی مصنف کی کتاب ''استمتع بحیاتک'' کے اردو ترجمہ سے

حاجت براری

پروفیسر محمد عبدالرحمٰن العریفی

جن دنوں میں نے ایم ،اے کے مقالے کی تیاری کا آغاز کیا۔ادیان و مذاہب کی بیشتر کتب میری نظر سے گذریں۔اس ضمن میں جن مذاہب کی تاریخ کا میں نے بغور مطالعہ کیا ان میں سے ایک ''براجماتی مذہب'' تھا۔دوسرے لفظوں میں ہم اسے ''مفاد پرست'' یا ''خودغرض'' مذہب کہہ سکتے ہیں۔ اس مذہب کو میں نے گہرائی سے پڑھا تو مجھے ادراک ہوا کہ ہم امریکی یا یوروپی معاشرے کے متعلق ایسی باتیں کیوں سنتے ہیں کہ ان کے یہاں عموماً بیٹا باپ کو چھوڑ جاتا ہے۔کسی جگہ دونوں کا آمنا سامنا ہو جائے تو ہر ایک اپنا دفاع کرتا ہے۔

فی الواقع جب آپ سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ملتا تو میں آپ کے کام کیوں آنے لگا؟

میں نے اپنا پیسہ کیوں لٹاؤں؟

اپنا وقت کس لئے ضائع کروں؟

بغیر کسی مادی منفعت کے اپنی کوشش کیوں صرف کروں؟

(لیکن) اسلام نے اس ترواز و کو الٹ دیا ہے،اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے:

''وَاَحۡسِنُوۡا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ '' (اور اچھائی کرو، بلاشبہ اللہ اچھائی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (سورۃ البقرہ:۱۹۵)

جو اپنے بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے اللہ اس کے کام میں لگا رہتا ہے

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

'' لئن أمشی مع أخی في حاجة حتی أُثبتها له، أحب الی من أن أعتکفَ فی مسجدي هٰذا شهراً '' (اگر میں اپنے بھائی کے کسی کام آ جاؤں تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں اپنی اس مسجد میں اعتکاف کروں) (المعجم الکبیر للطبرانی:۱۳۶۴۶) یہ حدیث ضعیف ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

''ومن كان في حاجة أخيه ، كان الله في حاجته''(جو اپنے بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگا رہتا ہے)(صحیح بخاری:۲۴۴۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں چل رہے ہوتے ،کوئی لونڈی آپ کو روک لیتی اور کہتی: ''مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے'' تو آپ کھڑے ہو کر اس کی بات سنتے۔ایسا بھی ہوتا کہ آپ اس کے ساتھ اس کے آقا کے یہاں چلے جاتے اور اس کا مسئلہ حل کراتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے میل جول رکھتے اور ان کے مصائب و آلام پر صبر کرتے تھے، آپ کا لوگوں سے برتاؤ نہایت رحم و کرم کا تھا۔آپ انہیں اور اپنے آپ کو ایک جسم سمجھتے تھے۔غریب کی غربت، غمزدہ کے غم، مریض کے مرض اور محتاج کی محتاجی کا احساس رکھتے تھے۔

فقراء ومساکین کی امداد کرنا

ایک دفعہ کا ذکر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے صحابۂ کرام رضان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے باتوں میں مشغول تھے کہ دور سے چند لوگ آتے دکھائی دیئے۔ وہ فقراء و مساکین تھے جو نجد کی جانب سے آئے تھے، ان کا تعلق قبیلۂ مضر سے تھا، ناداری کی انتہا یہ تھی کہ انہیں کپڑے سلائی کرنے کو سوئی دھاگہ بھی میسر نہیں تھا اور انھوں نے کپڑے درمیان سے چاک کر کے گردنوں میں لٹکا رکھے تھے، تلواریں ان کے پاس تھیں، اس ایک کپڑے کے علاوہ ان یں سے کس کے پاس کوئی تہبد، عمامہ، شلوار یا چادر نہیں تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ عریانی، تنگدستی اور بھوک دیکھی تو آپ کا رنگ فق ہو گیا۔ فوراً کھڑے ہوئے، گھر تشریف لے گئے لیکن ان لوگوں کے لئے کوئی چیز نہیں ملی۔آپ اس گھر سے نکلے اور دوسرے گھر میں داخل ہو گئے، ادھر بھی کچھ بھی نہیں تھا، پھر مسجد کی طرف چل پڑے، ظہر کی نماز پڑھائی اور منبر پر تشریف فرما ہوئے، اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور کہا:

رشتہ داریوں کی حق تلفی مت کرو

امابعد: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ آیت اتاری ہے:

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَازَوْجَهَاوَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّ نِسَآءً ج وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهِ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباًO (سورۃ النسآء:۱)

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اسی جان سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر ایک دوسرے سے مانگتے ہو۔ اور رشتہ داریوں (کی حق تلفی سے) ڈرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم پر نگرانی رکھے ہوئے ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰه وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج وَاتَّقُوا اللّٰه ط اِنَّ اللّٰه خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَO

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ (بھال) لے کہ کل (قیامت) کے لئے اس نے (اعمال کا) کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے۔ اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ (سورۃ الحشر:۱۸)

صدقہ کرو، اس سے پہلے کہ تم صدقہ کرنے سے روک دئے جاؤ

آپ اسی طرح آیات سنا سنا کر نصیحت کرتے رہے، پھر فرمایا:

’’صدقہ کرو اس سے پہلے کہ تم صدقہ نہ کر سکو، صدقہ کرو، اس سے پہلے کہ تمہیں صدقہ کرنے سے روک دیا جائے، ہر آدمی اپنے درہم و دینار، گندم اور جو کا صدقہ کرے، اور کوئی صدقے کی کسی چیز کو حقیر نہ جانے‘‘

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کی انواع گنواتے رہے، آخر میں فرمایا:

’’صدقہ کرو، خواہ آدھی کھجور ہی کا ہو‘ اس پر انصار کا ایک آدمی اپنے ہاتھ میں تھیلی لئے کھڑا ہو، اس نے وہ تھیلی منبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک چہرے پر خوشی کے آثار دکھائی دئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اچھا کام شروع کرنے کا ثواب

''جس نے کوئی اچھی سنت جاری کی اور اس پر عمل کیا گیا تو اسے اس کا اور ان افراد کا اجر بھی ملے گا جنھوں نے اس پر عمل کیا لیکن ان کے اپنے اجر میں بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ اور جس نے کوئی برا طریقہ جاری کی اور اس پر عمل کیا گیا تو اس کا گناہ اور ان لوگوں کا گناہ جنھوں نے اس پر عمل کیا، اسی پر ہو گا۔ ان لوگوں کے اپنے گناہ بھی کم نہیں ہوں گے۔'' (صحیح مسلم: ۱۰۱۷)

مجلس برخواست ہوئی، لوگ اپنے اپنے گھروں کو گئے اور صدقات لے کر آئے، کوئی ایک دینار لے کر آیا تو کوئی ایک درہم۔ کوئی ایک کھجور لایا اور کوئی کپڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو ڈھیر لگ گئے۔ ایک ڈھیر کھانے پینے کی اشیاء کا اور دوسرا کپڑوں کا۔ یہ منظر دیکھ کر آپ کا چہرہ دمکنے لگا گویا چاند کا ٹکڑا ہو۔ آپ نے یہ سارا سامان انہیں فقراء میں تقسیم کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ضروریات پوری فرماتے

جی ہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ضروریات پوری کر کے ان کے دل جیت لیتے تھے، آپ ان کے لئے اپنا مال، اپنا وقت اور اپنی کوشش صرف کرتے تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیق رضی اللہ عنہا سے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصروفیت کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا:

''آپ گھر کے کاموں میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے تھے'' (صحیح بخاری: ٦٧٦)

آپ بھی لوگوں کے کام کر دیا کریں

آپ بھی لوگوں کی ضروریات پوری کر کے اور ان کے کام آ کے اس راستہ سے ان کے دلوں میں داخل ہو سکتے ہیں، کسی بیمار کو اسپتال جانا ہو تو آپ اسے اسپتال چھوڑ سکتے ہیں۔ کوئی آدمی اپنی کسی الجھن اور پریشانی میں آپ سے مدد کا طالب ہو اور اس کا خیال ہو کہ آپ اس کی الجھن دور کر سکتے ہیں تو اس کی مدد ضرور کیجئے۔ بے لوث ہو کر اس کے کام آیئے۔ وہ آپ سے محبت کرے گا، آپ کے لئے دعا گو رہے گا اور جب کبھی آپ کو ضرورت پڑے گی آپ کی مدد کو آئے گا۔

کسی شاعر نے کہا تھا:

أحسن الی الناس تستعبد قلوبهم

فطـالما استعبد الانسان احسان

لوگوں سے اچھائی کرو، تم ان کے دلوں کو اپنا غلام بنالو گے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ احسان انسان کو اپنا غلام بنالیتا ہے۔

ایک عربی کہاوت بھی اسی حقیقت کی عکاسی کرتی ہے:

''اَلْاِنْسَان عَبْدُ الْاِحْسَان''

انسان احسان کا بندہ ہے۔

جو دوسرے کے لئے جیتا ہے وہ مشقت تو ضرور اٹھاتا ہے لیکن زندگی بھر لوگ بڑا آدمی ہونے کی حیثیت سے اسے عزت دیتے اور مرنے کے بعد بھی یاد کرتے ہیں۔

تخریج شدہ جدید اور خوبصورت ایڈیشن، حاصل کرنے میں جلدی کیجئے

سنت و بدعت

حقائق اور واقعات کی روشنی

عام قیمت: 650/=

تصنیف: صاحب الفضلیۃ الاستاذ الشیخ علی محفوظؒ

ترجمہ: مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم

تخریج و تحقیق: ڈاکٹر محمد ضیاء الدین مظاہری

ملنے کا پتہ: مکتبہ الاشرف۔ آزادنگر، کرامت کی چوکی، کریلی۔ الہ آباد۔ موبائل: 7839216040

تصحیح عقائد

اعمال واخلاق کی بنیاد ہے

مجلس شیخ المشائخ امام السلوک مسیح الامت
حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب شروانی نوراللہ مرقدہ

تصحیح عقائد، تصحیح اخلاق اور تصحیح اعمال کا عالم ارواح میں عہد لیا گیا تھا

ارشاد فرمایا کہ تصحیح عقائد اور تصحیح اخلاق اور تصحیح اعمال یہ تین چیزیں ہیں جو اہم ترین اور خلاصہ دین ہیں۔

تصحیح یعنی صحیح صحیح ،ٹھیک ٹھیک کرنا،اسی کے لئے عالم میثاق کے اندر انسان کو حامل امانت بنایا تھا، دعوی الوہیت کے اندر یہی مقصود تھا،یعنی عالم ارواح میں ''الست بربکم'' فرمایا: (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟)

(سورۂ اعراف:۱۷۲)

سبھوں نے کہا: ''بلیٰ'' کیوں نہیں، ہیں۔
''بربکم'' کہہ کر ''الٰھکم'' کو منوا لیا تھا۔

طلبہ کو خطاب

یہ طلبہ حضرات یہاں تشریف فرما ہیں، شرح تہذیب تم نے پڑھی ہوگی کہ بعض دفعہ کلام میں ایک مقدمہ تو صراحۃً بیان کیا جاتا ہے اور دوسرا مقدمہ اس کے اندر ضمناً موجود ہوتا ہے، اس کو منطق کی اصطلاح میں ''مَطوِی'' کہتے ہیں تو ''الست بربکم'' یہ ایک مقدمہ ہوا اور اس کے اندر دوسرا مقدمہ لپٹا ہوا ''مقدمہ مطویہ'' ہے اور دونوں مقدموں کے ملانے کے بعد نتیجہ صحیح نکل آتا ہے، بشکل اول (یعنی شکل اول کے مطابق، یہ منطق کی اصطلاح ہے) جیسے آپ کھانا کھاتے ہیں ہوں اور کوئی صاحب تشریف

لائیں، آپ مدارات کے طور پر فرمار ہے ہیں: آیئے تشریف لایئے کھانا کھایئے۔ انھوں نے کہا کہ میرا پیٹ بھرا ہوا ہے، ابھی کھا کر آیا ہوں۔ دیکھئے کیا کہا؟ میرا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ یوں نہیں کہا کہ نہیں کھاؤں گا۔ میرا پیٹ بھرا ہوا ہے، یہ ایک مقدمہ ہے ''صغریٰ'' اور دوسرا مقدمہ مَطوِیہ یعنی لپٹا ہوا ہے وہ یہ کہ اس نے جب کہا کہ میرا پیٹ بھرا ہوا ہے تو گویا وہ یوں کہہ رہا ہے کہ جس کا پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے وہ نہیں کھاتا۔ نتیجہ نکلا کہ ''اس لئے میں کھانا نہیں کھاتا''۔ منطق کو پڑھایا جاتا ہے مگر اس کی تمثیل نہیں دی جاتی، سہل طریقہ سے مثالیں دے کر نہیں سمجھایا جاتا، اس لئے ہمارے طلبہ کو منطق مشکل معلوم ہوتی ہے ورنہ منطق تو گھر کی چیز ہے۔

منطق نہ پڑھنا بڑی بھاری غلطی ہے

ارے بچو، تم نے منطق پڑھنا چھوڑ دیا، یہ بہت بھاری غلطی ہے، پڑھانے والوں نے یہ کہہ کر چھٹی پالی کہ یہ سمجھتے تو ہیں نہیں، انہیں کیا پڑھایا جائے، چھوڑو قصہ۔ حالانکہ اس زمانہ کے اندر منطق اور زیادہ پڑھانے کی چیز ہے، کیونکہ سائنس اور فلسفہ کا بہت زور ہے اس لئے منطق اور زیادہ پڑھانی چاہئے تھی مگر وہی صاف کردی۔ ہمارے بعض بزرگوں نے تو یوں کہا ہے کہ منطق تو گھر کی لونڈی ہے ہمارے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی ہے۔

وہم کا نفع ونقصان

آج طلبہ نے منطق کو مشکل سمجھ لیا، خواہ مخواہ خیال اور وہم کرلیا کہ منطق مشکل ہے۔ حضرت یہ فرمایا کرتے تھے کہ وہم اچھی چیز تو ہے نہیں، اور جب یہ بڑھ جاتا ہے تو عقل ماؤف ہوجاتی ہے، پریشانی ہوجاتی ہے لیکن جس کا وہم اکثر صحیح نکلے وہ احتیاط ہے، تو وہم ہونا بھی اگرچہ فی نفسہ ضروری ہے لیکن ضروری ہونے کے باوجود مضر بھی بہت ہے، جیسے کھانا ضروری ہے لیکن ضروری ہونے کے باوجود شکم پری سے بھی آگے خوری ہورہی ہے تو مضر ہے، ہر چیز جب اپنی حد سے آگے نکل جائے گی تو مضر ہے۔

نفع کی چیز بھی حد سے نکل جانے پر مضر ہے

تو ہر چیز جو نفع کی ہے، ضروری بھی ہے، مگر حد سے آگے بڑھ جائے گی تو وہ مضر ہے، چاہے عین دین ہی کا کام کیوں نہ ہو۔ راتوں راتوں جاگ رہا ہے، نفلیں، تلاوت اور ذکر کررہا ہے اور سونے کا

نام نہیں ۔ دیکھئے یہ دین ہے لیکن مضر ہے ۔اس کا انجام اچھا نہیں ہے، اس طرح نبھا نہیں سکتا ، اور مطلوب ہے نبھانا، اگراس نے نبھانے کی کوشش کی تو مالیخولیا ہوجائے گا، دماغ چل جائے گا، بیماری آجائے گی یا پاگل ہوجائے گا۔

شیخ کی تعلیم کی ناقدری اور خودرائی کا انجام

اور بعض ایسے ہوگئے ہیں بالخصوص وہ جنھوں نے اپنے شیخ کے حکم کو نہیں مانا، تعلیم سے زیادہ اپنے شوق وذوق میں کچھ چمک دمک سی معلوم ہونے لگی، کچھ اچھی اچھی آوازیں بھی آنے لگیں سامنے کچھ روشنی سی بھی معلوم ہونے لگی ،طبیعت کچھ بجھنے لگی، کچھ ہنسنا بھی شروع ہونے لگا، کچھ رونے کی طرف بھی ترقی ہونے لگی، اب جاگا جاگا چلا جارہا ہے، کھانا چھوڑتا چلا جارہا ہے۔

شیخ کی تعلیم کے خلاف کرنا گویا اس سے دشمنی کرنا ہے

تو شیخ کی تعلیم سے تجاوز کر گیا، شیخ کو معلوم ہوا شیخ منع بھی کررہا ہے مگر نہیں مانا، تو ایسے لوگ پاگل ہوگئے، یہ شیخ کے دشمن ہیں دوست نہیں۔ایسا شخص شیخ کو بدنام کرتا ہے، بگاڑتا اس کا کچھ نہیں ہے، مگر لوگ کہیں گے کہ فلاں شیخ بزرگ کا مرید پاگل ہوگیا۔اب دوسروں کو کیا معلوم کہ شیخ نے تو منع کیا تھا، تنبیہ کی تھی لیکن نہیں مانا، مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مرید حضرت والا کے بعض مرید ایسے ایسے حضرات تھے مگر نہیں مانے۔

رجوع الی المقصود

تو عرض یہ کیا جارہا تھا کہ مقصود تو تصحیح عقائد، تصحیح اخلاق، تصحیح اعمال ہے، اور جب عالَم ارواح میں ''الست بربکم'' کیا میں تمہارا رب پرورش کرنے والا نہیں ہوں فرمایا تو سب نے کیا کہا؟ یہ کہا کہ بیشک۔ہمیں اس پر جو آپ فرمارہے ہیں پورا وثوق ہے اور وثوق کے ساتھ ہم کہہ رہے ہیں، یقین کے ساتھ ہم کہہ رہے ہیں کیونکہ وہاں پر عالم ارواح میں انسان کے سامنے ہر چیز بدیہی ہے نظری نہیں ہے یعنی علم ضروری کے طور پر اس کو معلوم ہے۔اسی کا نام منطق کی اصطلاح میں علم بدیہی بھی ہے، علم ضروری بھی ہے۔اس میں نظر کی، فکر کی، سوچنے کی، صحیح نتیجہ نکالنے کی صورت جاننے کی، سمجھنے کی، عقل دوڑانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ عالم ارواح میں ذات باری تعالیٰ خود مخاطِب ہیں ان مخاطبوں کے

ذہن کے اندر دل کے اندر ذات باری تعالیٰ کا خالق ہونا یقینی اور بدیہی ہے کہ جو خالق ہوگا اس کے سوا اور رب کون ہوگا؟

عالم ارواح میں علم ربوبیت کی اس عالم دنیا میں نظیر

اس کی نظیر دنیا کے اندر باپ ہے جو کہ رب مجازی ہے کہ یہاں پیدائش کا سبب قریب باپ ہے، اس کے علاوہ اب کوئی اور پرورش کرنے والا بنے گا؟ پھر اماں ہے، اماں ابا کے علاوہ اور کوئی پرورش کرنے والا بنے گا؟ پیدا تو ہوا اس سے اور دودھ بچہ پینے کے لئے دوسری کی چھاتی میں آرہا ہے اسی رب مجازی کی چھاتی میں نظر آتا ہے۔ یہ نظیر ہے اس عالم کے اندر تو یہ بدیہی ہے یا نظری؟ جو چیز بدیہی ہے، ظاہر بات ہے کہ اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا، بدیہی یہی ہے کہ ماں بچہ کو مارتی ہے، رو رہا ہے، ماں مار رہی ہے لیکن بچہ ماں ہی ماں پکار رہا ہے اس کی گود میں سے اگر کوئی دوسرا لینا چاہے تو نہیں جاتا، ماں بیٹھی ہوئی ہے اور دوسری عورتیں بیٹھی ہوئی ہیں لیکن غیر شعوری، ہیولانی عقل ہونے کے باوجود جب لپکتا ہے تو ماں ہی کی طرف لپکتا ہے۔ تو یہ کس نے سکھایا؟ یہی بدیہی چیز ہے، بدیہی کہتے ہیں بلا دلائل کے معلوم ہونا، جب اس عالم میں یہ حال ہے تو اس عالم میں ''بلیٰ'' کیسے نہ کہتے؟ حق تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کیسے نہ کرتے؟ ''الست بالٰھکم'' نہیں کہا، اس میں دعویٰ الوہیت کو ثابت کرنا اور منوانا ہے۔ اور الوہیت کہتے ہیں معبودیت کو یعنی پوی پوری بلا شرکت غیرے اسی کی اطاعت کامل ہر موقع پر بجالانا۔ تو ذات باری تعالیٰ نے ''الست بربکم'' فرمایا جو کہ ایک مقدمہ ہے دوسرا مقدمہ ''الست بالٰھکم'' اس کے اندر مطوی ہے، اس پر ان کا ذہن فوراً بداہۃً پہنچا کہ کیوں نہیں؟ آپ ہمارے رب ضرور ہیں، اس لئے کہ آپ خالق ہیں اور جو خالق ہوتا ہے وہ رب ہوتا ہے، پرورش کرنے والا ہوتا ہے، اور جو ایسا ہوتا ہے تو بالمقابل دوسرے کے اسی کا کہنا مانا جاتا ہے۔

اقرار ربوبیت میں پوری شریعت داخل ہے

تو اس ''الست بربکم'' میں تصحیح عقائد بھی ہے او تصحیح اعمال بھی ہے، اور تصحیح اعمال میں تصحیح اخلاق بھی داخل ہے۔ اور بلفظ دیگر یہ متعلق بعلم کلام بھی ہے اور متعلق بعلم فقہ بھی ہے اور متعلق بعلم السلوک بھی ہے۔ تصحیح عقائد علم کلام سے ہوتی ہے اور تصحیح اعمال فقہ سے ہوتی ہے، اور تصحیح اخلاق علم تصوف سے

ہوتی ہے۔ پھر اسی کی اس عالم کے اندر صراحت کرائی، جب جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور سامنے آ کر بشکل انسانی بیٹھ کر سوال کیا،" ماالایمان؟ (ایمان کیا ہے؟ (یہ پوری حدیث بروایت مسلم مشکوۃ شریف کتاب الایمان میں موجود ہے) ماالاسلام (اسلام کیا ہے؟) ماالاحسان (احسان کیا ہے؟) تو ماالایمان (ایمان کیا ہے؟) کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد بیان فرماتے ہوئے وضاحت وتفصیل سے اس کے اجزاء بیان فرمائے، یہ ہے تصحیح عقائد۔

اور ماالاسلام (اسلام کیا ہے؟) کے جواب میں بیان اعمال فرمایا تو یہ متعلق بالفقہ ہے۔

اور ماالاحسان (احسان کیا ہے؟) متعلق بباطن ہے۔

اس کا جو جواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا وہ تصحیح اخلاق ہے جو متعلق بالسلوک، متعلق بالتصوف ہے۔ تو مقصود و مطلوب، مطمح منظور بالاصل وبالذات تصحیح عقائد، تصحیح اعمال، اور تصحیح اخلاق ہے۔

تصحیح عقائد کا نام ایمان ہے، جو تصحیح اعمال اور تصحیح اخلاق کا موقوف علیہ ہے کہ وہ اصل ہے اور بالذات ہے۔ اب آگے تصحیح اخلاق میں تصحیح سلوک میں، تصحیح تصوف میں وہ ہے جو" ماالاحسان" کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ تصحیح عقائد من حیث العبادات القلبیہ ہے اور تصحیح اعمال من حیث اعمال الجوارح ہے۔

سوالات جبرئیل علیہ السلام کے جوابات کی تشریح

تو" ماالاسلام" کے جواب میں جو فرمایا وہ بھی عبادت ہے اور" ماالایمان" کے جواب میں جو فرمایا وہ بھی عبادت ہے۔ ان دونوں عبادتوں کے بعد" ماالاحسان" کا ذکر آیا تو وہ بھی جواب میں عبادت ہی کا بیان ہے، اسی عبادت کے اخلاص کا بیان ہے، کہ تم نے جو ایمان واسلام کے بارے میں سوال کیا ہے جو کہ وہ دونوں عبادات رب العالمین ہیں جیسا کہ عالم میثاق میں تھا اور جو ثابت کیا گیا تھا علم ضروری بدیہی کے طور پر کہ جو رب ہوتا ہے وہی عبادت کا مستحق ہوتا ہے کہ ربوبیت مستلزم ہے الوہیۃ وخالقیت کو تو پھر عبادت اسی رب خالق کی ہے، دوسرے کی نہیں ہے تو پھر اس میں شرک کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے" ماالاحسان" کے جواب میں پہلے یوں فرمایا:" ان تعبداللہ کأنک تراہ" یعنی احسان یہ ہے کہ عبادت کرے تو اللہ کی، تو" ان تعبداللہ" کہہ کر یہ بتلا دیا کہ ایمان کے اندر بھی اخلاص ہونا

چاہئے اور اسلام کے اندر بھی اخلاص ہو۔ کہ بس وہی عبادت کا مستحق ہے دوسرا نہیں۔

حصول اخلاص کا طریق

لیکن یہ عبادت عقیدہ اور پھر عبادت اعمال اخلاص کے ساتھ ہو، جب تک کہ تمارے قلب کے اندر استحضار کامل اس بات کا جو اس اعتقاد میں حاضر و ناظر ہونے کا خیال ہے، یہ جما ہوا نہ ہو جائے اور ایسا جما ہوا کہ گویا تو اس رب خالق کو دیکھ رہا ہے، جب تک یہ جماؤ اس درجہ نہ ہو جائے کہ ''کا نک تراہ'' اس وقت صحیح درجہ کمال میں اخلاص جس میں شرک اور ریاء کی بو نہ ہو عادۃً مشکل ہے۔

''فان لم تکن تراہ فانہ یراک'' کی توجیہ

لیکن تم یوں کہو گے کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ یہ حالت ہو جائے کہ اس رب خالق کو میں دیکھ رہا ہوں۔ تو ہاں یہ عادۃً مشکل ہے اس لئے میں نے ''کاَنک'' (یعنی گویا کہ تو دیکھ رہا ہے) کہا ہے، لیکن ابھی کلام کا کچھ تتمہ باقی ہے۔ گویا حضور یہ فرما رہے ہیں کہ میرے اس کہنے پر یوں سمجھے کہ اول وہلہ ہی میں تمہارا یہ حال ہو جائے، نہیں بلکہ یہ ہے ترتیب کہ تمہیں اعتقاد تو ہے اللہ تعالیٰ کے جو کہ رب خالق ہیں ....حاضر و ناظر ہونے کا، جب یہ ہے کہ اس کی طرف سے حاضر ہونا بھی ہے اس کی طرف سے ناظر ہونا بھی ہے، لہٰذا اس کا تتمہ یہ ہے کہ ''فان لم تک تراہ فانہ یراک'' یعنی ''کاَنک تراہ'' یہ بات اگر نہیں ہے تو بتلا رہا ہوں کہ یہ تو ہے ہی کہ وہ دیکھ رہا ہے، تو تمہارے رب اور خالق ہونے کے اعتقاد میں یہ حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد بھی بطور علم ضروری، بطور علم بدیہی داخل ہے۔

حصول معائنہ کا طریق

تو تمہارے اس اعتقاد کے اندر جو ناظر و حاضر ہونے کا اعتقاد رکھا ہوا ہے اس کو سوچتے رہنے میں، سوچتے رہنے میں تم پر کیا زور پڑا؟ سوچتے رہو سوچتے رہو، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، لیٹے بیٹھے، خلوت میں، جلوت میں، رفتار میں، گفتار میں، سوچتے رہو، ذہول ہو جائے تو چونکہ اعتقاد میں حاضر و ناظر داخل ہے اس لئے وہ حاضر ہو گیا، پھر سوچنا شروع کرو، سوچنے لگو، پھر سوچتے رہو، جب تم برابر سوچتے رہو گے، سوچتے رہو گے تو کوئی وجہ نہیں کہ ''گویا کہ'' والی بات نہ پیدا ہو جائے بلکہ پیدا ہو جائے گی اور تو ''کاَنک تراہ'' کا مصداق ہو جائے گا اور یہ صادق آجائے گا ''گویا کہ تو دیکھ رہا ہے'' اور جب

حالت یہ ہو جائے گی تو اے مومن مسلمان تو پورا کا پورا اپنی زندگی کے ہر موقع کے اندر مہذب ومؤدب ہو گیا۔اب تجھے ٹوپی اتارنا بھی مشکل ہوگا،اب تجھے پیر پھیلانا بھی مشکل ہوگا،بضرورت،بحکم،بامتثال امر کپڑوں کا اتارنا ہو گیا،زبان کا ہلانا بھی ہو گیا،آنکھ کا چلانا بھی ہو گیا،کان کا لگانا بھی ہو گیا،دل کا جمانا بھی ہو گیا،خالی یوں ہی سننے کی بات نہیں ہے جو آ کر بیٹھتے ہیں،بلکہ دیکھنا ہے کہ آپ کے اطوار میں،آپ کے اخلاق میں،آپس کے برتاؤ اور سلوک میں کیا یہ رنگ آیا ہے یا نہیں؟

تنبیہ

یہ نہیں کہ آمدن،نشستن،گفتن،برخواستن ہی ہو کر رہ جائے،دل میں جا کر نہیں بلک یوں ہی اٹھ کر چلے گئے،اگر یہ بات لے کر اٹھ کر چلے جاتے جو کہ ایک امانت ہے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ جو اپنے اوقات تعلیم کے اندر حاضر ہونے کے لئے کم سے کم وقت مقرر ہیں اس میں غیر حاضر ہوتے۔

سوچتے حاضری کے وقت حجرے میں کیوں ہو؟
دوستوں سے مسلسل بات کیسی ہے؟
دارالافتاء میں کیوں نہیں پہنچے؟
دارالتدریس میں کیوں نہیں پہنچے؟
اتنے دن یہاں رہتے ہوئے ہو گئے کیا اثر لیا؟
معلوم ہو گیا کہ کیا نیت تھی؟ اتنا لمبا سفر کیوں کیا؟
ابا اماں نے بھیج دیا روپیہ خرچ کیا،یہاں کیوں آئے تھے؟
ہے سوچنے کی بات؟ پھر کس لئے سفر کیا تھا؟
کس پابندی کے ساتھ کن چیزوں کو حقیقت شناسی کے ساتھ حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا؟
کمال حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا یا ناقص رہنے کے لئے؟
ناقص رہ کر واپس جانے کے لئے نہیں بھیجا تھا۔یہ اسی لئے ہو رہا ہے کہ ''کأنک تراہ'' کیا ہوتا ''فانہ یراک'' بھی نہیں ہے،سوچ لیجئے۔

طالب علموں کے لئے بیحد ضروری باتیں، اپنی قدر خود اپنی نظر میں

طالب علم درس گاہ میں حاضر تو ہے لیکن لا پرواہی کے ساتھ سن رہا ہے، مطالعہ کر کے نہیں آیا کہ کچھ آدھا سمجھ کر آجاتا باقی جو رہ گیا تھا اس کو استاذ کی تقریر سے سمجھ لیتا، مطالعہ ہی نہیں کیا، کیوں نہیں کیا؟ اس لئے کہ حاضر ناظر کا عقیدہ علم کے درجہ میں ہے حال کے درجہ میں نہیں ہے، اور مقصود یہ یہی حال کا درجہ ہے۔ اگر یہ مقصود نہیں ہے تو ''ان تعبداللہ کأ نک تراہ فان لم تکن تراہ'' کیوں کہا؟ اور عبادات میں سے عبادت تو پہلے علم کے درجہ ہی میں ہے۔ علم دین کی عبادت اول ہے عمل کی عبادت بعد میں ہے۔ تو وہ علم کو بدرجہ کمال، بدرجہ رسوخ، بدرجہ ملکہ، ملکہ یادداشت حاصل کرنے کے لئے آیا تھا لیکن یہ لا پرواہی! حجرہ کے اندر بیٹھا ہوا، لیٹا ہوا، درسگاہ سے ایسا غافل ہو گیا دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا باتیں کرتا ہوا، ادھر ادھر گھومتا ہوا، ادھر ادھر کمروں میں جاتا ہوا اور درسگاہ میں نہ پہنچتا ہوا، دارالافتاء میں نہ پہنچتا ہوا، اوقات گذار رہا ہے۔ یہ خیانت نہیں تو اور کیا ہے؟ تصحیح اعمال کے خلاف ہے، تصحیح عقائد کا جو درجہ تھا ''کأ نک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک'' وہ نہیں پیدا ہوا۔ یہ ضمناً بات آ گئی۔

مراقبہ واستحضار کا مقصود کیا ہے؟

اس عرضداشت سے مقصود یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصحیح عقائد اور تصحیح اعمال و عبادات کے بیان کے بعد استحسان کا بیان ''ان تعبداللہ کأ نک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک'' جو فرمایا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ درجہ عقائد اور درجہ اعمال ایسی مضبوطی اور قوت اور عمدگی اور حسن کے ساتھ ہوتے رہیں خواہ اس وقت میں حاضر و ناظر ہونے اور ''کانک تراہ'' ہونے کا حضور ہے یا نہیں لیکن اس عبادت کو جس وقت کر رہا ہے جو طریق اس کے حسن کے ساتھ کرنے کا ہے اس طرح کر رہا ہے کہ غیر کا تصور نہیں، غیر کا خیال نہیں، اور خیال غیر سے خالی ہونے کا نام ہی اخلاص ہے، اگر چہ اس وقت تصور ''کأ نک تراہ'' نہیں ہے، اگر چہ اس وقت تصور ''فانہ یراک'' نہیں ہے لیکن معنی ہے۔ لہٰذا اے عاشق، اے محبّ، اگر اس طرح نہیں ہے لیکن اس طرح ہے تو پھر یوں مت سمجھ، یوں خیال کر کہ دل میرا روکھا روکھا سا ہے، سوکھا سا کھا سا ہے، تراوٹ نہیں ہے، کیفیت بشاشت کی نہیں ہے، انجذابی نہیں ہے، یہ میدان سلوک کا مسئلہ ہے۔ ایسے بہت سے خط آتے ہیں، ایسے حالات کے بیان آتے ہیں کہ میں

عبادت پوری کوشش کے ساتھ کر رہا ہوں، پوری لگاوٹ کے ساتھ کر رہا ہوں لیکن کچھ دل میں روکھا روکھا پن سا ہے۔

سالک کا مغالطہ اور اس کا ازالہ

یہ کیا ہے؟ یہ مغالطہ ہو گیا، شیطان کو موقع دیدیا جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کیفیت خاصہ کو عمل سمجھ بیٹھا، اور جس دن اس کیفیت خاصہ کے ساتھ، اس نے یہ کہا کہ آج ہوا ہے کامل عمل تو وہ رونے کا دن ہے، خوشی کا دن نہیں ہے، اسلئے کہ اب عجب ہو کر حال خراب ہو سکتا ہے۔ پھر غیر مقصود کو مقصود سمجھ لینا بھی تو گمراہی ہے، کیفیت خاصہ مقصود نہیں ہے، چونکہ یہی تو کہا ہے: ''ان تعبد اللہ کأ نک تراہ'' کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کر گویا کہ تو دیکھ رہا ہے، یعنی یہ سوچے کہ اگر دیکھ رہا ہوتا تو جس طرح کرتا کس طرح عمل کرتا، لہٰذا دوسرا مقصد یہ ہو گیا کہ اگر تو دیکھ رہا ہوتا تو جس طرح کرتا اس طرح عمل کر، اس کو اس کے اجزاء حسن کے ساتھ بجالاتا اور کسی چیز کے اندر حسن سے فروگذاشت نہ کرتا لہٰذا اس طرح رہ تو، اگر چہ ''کأ نک تراہ'' نہیں پایا جا رہا ہے اور اگر چہ ''فانہ یراک'' نہیں پایا جا رہا ہے لیکن ان دونوں کا جو مقصد ہے وہ پایا جا رہا ہے۔

طلبہ کی خیانت پر تنبیہ

یہ خاص سالکین کے لئے نہیں ہے بلکہ سب ہی کے لئے ہے خواہ طالب علم ہو یا طالب تربیت ہو، سب ہی کے لئے ہے۔ طالب علم سوچے کہ علم کس طرح حاصل کرنا چاہئے، کتاب کو کس طرح پڑھنا چاہئے، حاضر باشی کس طرح ہونی چاہئے، اسباق کے اوقات کی پابندی غور سے سننے کے ساتھ کس طرح ہونی چاہئے کیا حصول علم ذکر نہیں ہے؟ علم کا حاصل کرنا منجملہ اذکار میں سے نہیں ہے؟ یہ خیانت کیسی ہے؟ ابا جان خرچ بھیج رہے ہیں آسانی کے اسباب مہیا کر رہے ہیں، سکون کے اسباب مہیا کر رہے ہیں، پھر اس طرح علم حاصل نہ کرے تو خیانت نہیں ہے؟

مقیمین خانقاہ کے لئے لمحہ فکریہ

ایسے ہی تربیت کے لئے بھیجنا کہ جاؤ خانقاہ، وہاں رہو، ماں باپ نے بھیج دیا، خرچ برداشت کیا، اپنے کلیجے کے پالے ہوئے کو اپنے سے دور بھیجا، تو یہ خیانت نہیں ہے کہ اس طریقے سے قیام نہیں

ہے، اس طرح سکون سے خلوت گزینی محبت کے ساتھ اور پورے پکے طریقے سے، تربیت و اصلاح نفس میں طریقہ کے ساتھ لگا ہوا نہیں ہے، میں نے کہا تھا ''سکون وسکوت'' کے ساتھ رہنا شرط ہے اختلاط نہ ہونے پائے۔

پہلے ''ان تعبد اللہ'' کہا ہے پھر ''کأ نک تراہ فانہ یراک'' ان دونوں کا خلاصہ ''معائنہ ومشاہدہ حق'' ہے، اگر بالفرض مشاہدہ بحضور قلب نہ بھی ہو لیکن حکم کو حسن کے ساتھ بجالانے کے طریق پر عمل ہے تو مقصود حاصل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سہولت کو بتلا رہا ہے کہ میں امت مسلمہ کو اس درجہ حضور پر مکلّف کس طرح بنا دوں کہ ہر وقت اس طرح حضوری رہے، مشاہدہ معائنہ رہے۔ تو پہلا یعنی گویا کہ معائنہ ہے اور دوسرا مشاہدہ ہے، کیونکہ اس عالم تکلیف کے اندر بہت سی آفتوں کا سامنا ہوگا بہت سے حقوق کا سامنا ہوگا، تو وہ حضور ایسی حالت میں دائمی طور پر کس طرح ہوگا؟ اس لئے اس طرح مکلّف بنانے کا عمومی حکم کس طرح کردوں؟ ہاں جن کو کچھ ایسی حالت محبت وعشق کی ہوگی کیونکہ ایسے بھی ہوں گے کہ ان کے معاملات پھیلے ہوئے نہیں ہوں گے، ان کی معاشرتی زندگی پھیلی ہوئی نہیں ہوگی ایسے بھی ہوں گے اور جو ایسے ہوں گے وہ ''کأ نک تراہ'' کی کوشش میں ہوں گے تو یہ بھی ایک فرمان ہے۔ اور اس سے پہلے ''فان لم تکن تراہ فانہ یراک'' مساعی جمیلہ والے ہوں گے، وہ اس میں ہوں گے، کیسے؟

طلبہ کو خطاب

ایہا الطلاب، ایسے کہ پوری امت مسلمہ بقدر ضرورت صحیح صحیح علم کے حاصل کرنے کی مکلّف ہے، لیکن انہیں میں امت مسلمہ کی ایک جماعت پوری کی پوری علم شریعت کامل کے ہونے کی مکلّف ہے۔ اگر امت مسلمہ کی ایک جماعت بھی ایسی نہ ہوئی تو سارے کے سارے مسلمان گنہگار رہوں گے۔ ایسے ہی ادھر بھی کچھ ایسے ہوں گے کہ ان کا معاشرہ پھیلا ہوا نہیں ہوگا حقوق ازدواجی سے مستغنی اور بے فکر ہوں گے خواہ کسی وجہ سے ہوں، تو وہ اپنے کو اس درجہ کا مکلّف بنانے میں ساعی ہوں گے۔ بہر حال اس کا مکلّف تو ہر انسان ہے کہ عقائد من حیث الاخلاص، اعمال من حیث الاخلاص پورے حسن کے ساتھ بجالاتا رہے چاہے اس کے قلب کے اندر ''کأ نک تراہ'' ہو یا نہ ہو۔ اگر کسی وقت میں ایسا نہیں ہے تو

کیوں تڑپ رہا ہے، یہ دیکھ کہ جو عمل جس وقت میں کر رہا تھا وہ اس کے حسن کے ساتھ ہوا یا نہیں؟ تو بالمعنیٰ ''کأ نک تراہ'' ہی کا مصداق ہے اور بالمعنیٰ ''فانہ یراک'' ہی کا مصداق ہے۔ کیوں کیفیت کے پیچھے پڑ گیا جبکہ وہ غیر اختیاری ہے، اپنے قبضہ میں نہیں ہے تو واقعی جو سالک ہے اس کو تو گھن لگ گیا۔ وقت ضائع تو نہیں ہو رہا ہے؟

اضاعت مال کی طرح تضییع اوقات بھی حرام ہے

جس طرح اضاعت مال حرام ہے اسی طرح اضاعت اوقات بھی حرام ہے۔ محرمات کے ساتھ تو حرام ہے ہی لیکن ان مباحات کے ساتھ بھی کہ جو منجر الی المحر مات (یعنی محرمات تک پہنچنے کا سبب) ہیں حرام ہے، محرمات میں وقت لگانا تو محرمات میں سے ہی ہے، حرام ہے ہی، تضییع اوقات ہے ہی، لیکن وہ مباحات جو محرمات تک کھینچ کر لے جا رہے ہیں، وہ بھی محرمات میں سے ہیں، یہ حدیث شریف میں ہے۔

رجوع الی المقصود

تو مقصود کیا ہوا؟ مطلوب کیا ہوا؟ مطمح نظر کیا ہوا؟ اردو سمجھ رہے ہیں آپ اچھی طرح سے؟ (یوروپ وافریقہ کے ممالک کے بھی سامعین اور سالکین ہوا کرتے تھے جو اردو کم سمجھتے تھے یہ ایسے ہی حضرات سے خطاب ہے) مطمح نظر کیا ہوا؟ تصحیح عقائد اور تصحیح اعمال انہیں تصحیح اعمال میں ہر قسم کے اعمال شامل ہیں خواہ وہ معاملاتی ہوں خواہ معاشرتی ہوں اور تصحیح اخلاق یہ مطلوب ہے۔ تو عمل کے وقت ''کانک تراہ'' کا حضور ہو یا نہ ہو ''فانہ یراک'' کا حضور ہو یا نہ ہو لیکن اس کی سعی وکوشش ہو کہ ''فانہ یراک'' میں لگتا ہوا چلا جانا یہاں تک کہ ''کأ نک تراہ'' کی صفت سے متصف ہو جانا کہ وہ بھی ایک درجہ میں مطلوب ہے خاص کر اہل علم کے لئے، کیونکہ وہ عوام میں سے نہیں ہیں بلکہ خواص میں سے ہیں، تو خواص کی بات اور شان وصفت خواص میں آنی چاہئے۔ خواص کی بات خواص میں آنا ضروری ہے ورنہ عوام میں اور خواص میں کیا فرق ہوا۔ جیسے انسانوں کے مجموعہ میں اہل ایمان خاص ہیں، ان کا معاملہ کافروں سے نرالا ہے، چنانچہ مومن کے لئے فرشتے بھی دعا کرتے ہیں۔

طلبہ واساتذہ کو خاص خطاب

یہ خواص کی بات تھی تو عام مومنین کی بہ نسبت طلبہ خواص ہیں، ان کو کیسا ہونا چاہئے؟ اتباع

سنت کی زندگی ہونی چاہئے، منجملہ اس کے یہ ہے کہ اپنا کام خود کرنا چاہئے، چائے خود ہی بنانا چاہئے نہ کہ اللہ میاں نے پیسہ دیا ہے تو کہیں سقہ کا بچہ نوکر رکھ لیا، کہیں دھوبی کا بچہ نوکر رکھ لیا، اور پھر طالب علم ہو کر خود نہیں بنائی جاتی، یہ وقت ایسا ہے کہ استاد کو بھی اپنے شاگرد سے کام نہیں لیتے رہنا چاہئے، الفاظ بھی خیال فرمائیے۔ نہیں لیتے رہنا چاہئے، یوں کبھی اتفاقاً لے لیا وہ الگ بات ہے لیکن لیتے نہیں رہنا چاہئے۔ خصوصیت کا اظہار کسی پر نہ ہو جائے، اس کو بھی خیال نہ ہو جائے کہ، وہ سمجھے گا نہیں بگڑ جائے گا، ناز کرے گا اور خدانخواستہ کبھی کسی بھی ادا کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ لیا، اس کو چھاتی سے لگا لیا، اس کی پیشانی یا منھ چوم لیا، بدگمان ہو گیا، دوسروں سے کہہ دیا۔

یاد رکھو، یہ وہ زمانہ ہے مدرس کو بھی شاگرد سے خدمت نہیں لینا چاہئے، میرے پاس عجیب عجیب خطوط آتے ہیں، میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں، مجھ پر حق ہے مگر آپ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے تو میں کیا کروں؟

اپنا کام خود کرو کسی سے خدمت نہ لو

اپنا کام اپنے ہاتھ سے خود کرنا چاہئے، بڑے بڑے صاحب کمال عارف باللہ کے یہاں بھی حاسدین رہے ہیں، یہ تجربہ کی باتیں ہی جو اپنے اکابر سے بالخصوص اپنے شیخ سے سنی ہیں، فرمایا: اگر کسی سے خصوصی تعلق ہو گیا ہو تو ہو جایا کرتا ہے لیکن ایسے طرز سے بچتے رہنا کہ دوسرے پر اس قسم کے تعلق کا ظہور نہ ہونے پائے۔ آپ جوان بچے ہو سمجھ کر سنو، اس وقت کی سنی ہوی باتیں آگے کام دیں گی، ظہور نہ ہونے پائے ورنہ خلجان میں پڑ جاؤ گے اور حاسدین پیدا ہو جائیں گے نہ معلوم کیا کیا کہنے لگیں، لب کشائی کرنے لیں۔

بیوی سے بھی خدمت لینے کے محتاج نہ رہو

کام میں بیوی کے محتاج نہ رہو، لوٹے میں پانی لانا، اتنا بھی نہ ہو کہ کھانے کے وقت تو کم از کم لوٹے میں یا جگ میں خود ہی پانی بھر کر رکھ لیتا، وہ بھی بیوی ہی بھر کر لا کر رکھے گی۔ جی؟ یہ زندگی کی جزئیات ہیں، حیات المسلمین دیکھو، آداب المعاشرت دیکھو، چاہے تم نے کتنا بھی دورہ پڑھ لیا ہو۔ (اور پڑھ لکھ کر فاضل ہو گئے ہو) (احقر غیاث الدین غفرلہ)

سالکین کے لئے تسلی

ایہاالسالکون ،اگرکسی وقت میں ذہول ہو، وہ کیفیت رنگارنگ کی نہ ہوتو کوئی گھبرانے ، کی دل بجھانے کی ، مغالطہ کی اور تشویش وانتشار کی بات نہیں ہے کیونکہ اس کا جومقصد تھا وہ حاصل ہے اور جو مشق کئے ہوئے ہےاس کوتو اکثر حاصل ہے، مشق جس کو مراقبہ کہتے ہیں جس کو میں نے مشق سے تعبیر کیا ہے،''اللہ حاضری''،''اللہ ناظری''،اللہ معی'' کا مراقبہ اوراس کی مشق اس نے کرر کھی ہے،مراقب ہوہو کر بیٹھ کر جماؤ پیدا ہوگیا ہے،تو وہ عبادت ہی میں نہیں بلکہ معاملات وغیرہ میں بھی کہ اگر چہ وہ تجارت کر رہا ہے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے حدود کے اندر ہےاس لئے وہ عبادت ہی کے اندر ہے،تو مومن ہر وقت اس حیثیت سے عبادت ہی میں ہے۔اور عبادت کے اندرکیاحکم ہے؟''کأ نک تراہ فانہ یراک''تو جس نے مشق کی ہے،مراقبہ برابر کرتا رہا ہےاس کا زندگی کے ہر جزئی کے اندریہی حال ہوجاتا ہےاور ہر جزئی اس کی عبادت ہوجاتی ہے۔

لیکن جوسالک کو بے چینی ہوجاتی ہے کہ اس کو اتنی دیر کے لئےغفلت رہی سو یہ غفلت میں داخل نہیں ہے، جب کہ زندگی شرع کے مطابق بحدود ہورہی ہے کہ کھانا بھی حدودشرع کے اندر بیٹھ کر کھا رہا ہے، گواس وقت کسی وجہ سے ذہول تھا لیکن عمل تو باتباع سنت کررہا ہے،کھانا کھارہا ہے، گواس وقت کسی وجہ سے ذہول نہیں مگر کھانا باتباع سنت نہیں ہے تو وہ یاد کیسی ؟ اس صورت میں باوجود ذکر کے غفلت ہے،اور باتباع سنت باوجودغفلت کے ذکر ہے۔

تو مقصود، مطلوب مطمح نظر اپنی اپنی جگہ پر باخلاص تصحیح عقائدتصحیح اعمال تصحیح اخلاق ہے۔تو'' ما الایمان'' کے جواب میں ایمان کی حقیقت و ماہیت کو بیان فرمادیا ہے کہ یہ ہے ایمان۔

اور''ماالاسلام'' کے جواب میں اسلام کی حقیقت و ماہیت کو بیان فرمادیا کہ یہ ہے اسلام۔اور یہ سب عالم میثاق کے عہد''الست بربکم'' کی شرح وتوضیح ہےاس میں مقصوددل کے اندراپنی عبادت کا دلیل کے ساتھ جمادینا بٹھادینا ہے کہ کیا میں تمہارارب نہیں ہوں؟

اس کے جواب میں سب انسانوں نے کہا تھا کہ آپ ہمارے رب ہیں، کیسے کہہ دیا؟ بعلم ضروری (یعنی بدیہی طور پر) گویا سب نے یہ اقرار کرلیا کہ بلاکسی دلیل کی طرف نظر کئے ہوئے ہمارا

دعویٰ ہے کہ آپ خالق ہیں اور جو خالق ہوتا ہے وہ رب ہوتا ہے، اور جو رب ہوتا ہے وہی عبادت کا مستحق ہوتا ہے، لہٰذا آپ ہی مستحق عبادت ہیں، لہٰذا ہمارا وجود پورا کا پورا عبادت ہی کے لئے ہے۔

مردہ شیر کو زندہ کردیا

اس پر ایک واقعہ یاد آ گیا، آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے تھے، ایک شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، نیتیں مختلف اور عجیب عجیب ہوتی ہیں۔ ایک دن اس نے کہا:

آپ مردو کو زندہ کرتے ہیں۔فرمایا: ہاں، باذن اللہ کردیتا ہوں۔اچھا مجھے سکھا دیجئے مُردوں کو زندہ کرنا، آپ نے منع فرمایا مگر وہ نہ مانا۔

بڑوں کے منع کرنے کے باوجود اصرار کرنے کا نقصان

حالانکہ اپنے بڑوں سے اور شیخ سے اصرار نہیں کرنا چاہئے۔عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تو وہ معجزہ تھا وہاں تو کسی سبب وطریقہ کے اختیار کرنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن اس کے اصرار کرنے پر اس کو مردہ پر افسوں پڑھ کر دم کرنا بتا دیا۔عیسیٰ علیہ السلام اکثر سفر میں رہتے تھے، کہیں سفر میں تشریف لے گئے اور وہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا، راستہ میں خیال آیا کہ مجھ سے کسی نے پوچھا کیا سیکھ کر آیا ہے اور میں نے اس کی مشق تو کی نہیں ذرا کہیں کوئی مردہ مل جائے تو میں دیکھ لوں اور تجربہ کرلوں، اتفاق سے ایک جگہ مرے ہوئے شیر کے اعضاء کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے، اس نے ادھر ادھر جوڑ جاڑ دیا وہ شیر کی شکل بن گیا، اب اس نے پڑھ کر چھو کر دم کردیا، وہ شیر بن کر کھڑا ہو گیا، اب اس کی جان نکل گئی، گھبرا گیا، ادھر یہ کھڑا ہے اُدھر وہ کھڑا ہے، جب کچھ تھوڑا اس وقت گذر گیا تو شیر نے حملہ کیا، حملہ کر کے اس کو جو کچھ کھانا تھا کھا لیا، عیسیٰ علیہ السلام سفر کرتے ہوئے ادھر سے گذرے دیکھا کہ شیر بیٹھا ہوا ہے اور جس کو میں نے سکھایا تھا وہ مرا ہوا پڑا ہے۔

اس سے اندازہ کر لیجئے کہ اپنے بڑے سے اصرار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ بڑے کی نظر انجام پر ہوتی ہے، عیسیٰ علیہ السلام نے شیر سے کہا: ارے تو نے اس پر حملہ کر کے اسے کھا لیا۔شیر نے کہا: جناب اللہ کے مسیح، مجھے معاف کرنا، یہ میرا خالق بنا تھا، میں تو مردہ پڑا تھا لیکن یہ میرا خالق بنا تھا کہ مجھ کو زندہ کیا،

اب جب زندہ ہوکر میں بیٹھ گیا تو بھوک لگی، جب بھوک لگی تو میں نے روزی طلب کی، کیوں؟ اس لئے کہ جو خالق ہے وہی رازق ہے۔ یہ کہہ رہا ہے جانور کہ جو خالق ہے وہی رازق ہے، تو یہ میرا خالق بنا، میں نے اس سے روزی طلب کی، جب اس نے روزی نہیں دی تو میں نے اپنے اس خالق کو کھالیا، میرا کیا قصور؟

اب تو خیال شریف میں بات آئی کہ وجود انسانی بالبداہۃ و بالضرورۃ خالق کا اعتقاد رکھتا ہے کہ جو خالق ہے وہ رازق ہے اور جو رازق ہے وہی پرورش کرنے والا ہے، تو ''الست بربکم'' ایک مقدمہ ہے اور دوسرا مقدمہ اس میں مَطوی (لپٹا ہوا) ہے جیسا کہ شروع میں عرض کیا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: آپ ہمارے رب ہیں۔

یہ کس طرح خیال کیا تم نے؟ کہا کہ علم بدیہی علم ضروری کے طور پر ہمیں آپ کے خالق ہونے پر اعتماد ہے، اور جو خالق ہے وہ رب ہے اور جب وہ رب بھی ہے اور اس کے سوا کسی دوسرے کے اندر یہ صفت پائی نہیں جاتی تو دوسرا کوئی مستحق عبادت کا بھی نہیں ہے۔ لہٰذا آپ ہی مستحق عبادت کے ہیں۔

تخلیق انسانی کا اصل مقصد

اس طرح ''بربکم'' اپنے اندر ''بالٰہکم'' لئے ہوئے ہے، یہ ہے عالم میثاق کا عہد، اسی کو ذات باری تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا: ''وما خلقت الجن والانس الالیعبدون'' (سورۂ ذاریات: ۵۶) اور اسی سے مقصود تخلیق انسانی معلوم ہوگیا۔ اور اس کو حصر کے ساتھ فرمایا کہ اپنی عبادت ہی کے لئے میں نے جن واِنس کو پیدا کیا ہے اس کی توضیح وتشریح نص قطعی کے ساتھ ہوگئی۔

تو جتنا بھی عمل جس وقت میں یہ انسان مومن کرتا ہے وہ سب کا سب عبادت ہی کے اندر شمار ہوتا ہے۔ چاہے زراعت کرے، چاہے تجارت کرے، چاہے صنعت وحرفت کرے، چاہے دستکاری کرے، چاہے ہوا میں اڑے، کچھ بھی کام کرے، نکاح کرے، بیع وشراء کرے، خرید وفروخت کرے جو بھی کام کرے خواہ کھانا پینا ہو، صرف نماز ہی نہیں بلکہ جتنی دنیاوی زندگی کی چیزیں اس سے متعلق ہیں وہ سب کی سب عبادت ہیں۔

معمولی امور بھی حکم شریعت کے تحت ہوں تو عبادت ہے

اور عبادت کب کہی جاتی ہیں جب کہ حق تعالیٰ کے حکم اور قاعدہ وقانون کے حدود کے اندر کی جاتی ہیں اس لئے اس کی زندگی پوری کی پوری عبادت ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی عبادت کے لئے ہی محصور فرمادیں، اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی عبادت کی توفیقات عطا فرمائیں، استحضار خلوص کے ساتھ قانون الٰہی پر قائم رہتے ہوئے ہر ہر موقع پر عبادت کرتے رہنے کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق ارزانی عطا فرمائیں۔ آمیں یارب العالمین

موجودہ حالات ومعاشرت کے پیش نظر ''تفسیر تبیان القرآن'' سے ماخوذ دلکش، پرکشش اور جاذبِ نظر ذیلی سرخیوں سے مزین ایک حسین گلدستہ

کشف القرآن

عمدہ اور خوبصورت طباعت، محدود نسخے
مقدمہ: مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم
مرتبہ: مولانا سید محمد عماد الدین مظاہری الہ آبادی
قیمت:=/350
ملنے کا پتہ: مکتبہ الاشرف۔ آزادنگر، کرامت کی چوکی، کریلی۔ الہ آباد۔ موبائل :
7839216040

تنظیم اللآلی لشرح عقیدۃ الطحاوی
معروف بہ
اسلامی عقائد
مصنفہ: مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد غیاث الدین صاحب مظاہری دامت برکاتہم
ہر مسلمان کے لئے ضروری
قیمت:-/400 مکتبہ الاشرف میں رعایتی قیمت میں دستیاب ہے

فقہی مسائل

رمضان شریف کے روزوں اور زکوۃ کے مسائل

مسئلہ: رمضان شریف کے روزے ہر مسلمان پر جو مجنوں اور نابالغ نہ ہو فرض ہے، جب تک کوئی عذر نہ ہو روزہ چھوڑنا درست نہیں ہے اور اگر کوئی منت مان لے تو روزہ کی منت کر لینے سے روزہ فرض ہو جاتا ہے۔ قضا اور کفارہ کے روزے بھی فرض ہیں۔

مسئلہ: روزہ کی نیت زبان سے کرنا ضروری نہیں بلکہ دل میں یہ دھیان ہے کہ آج میرا روزہ ہے اور دن بھر کچھ کھایا پیا نہیں اور نہ ہی ہمبستری کی تو اس کا روزہ ہو گیا۔ البتہ اگر زبان سے بھی کہہ لے تو بہتر ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے دن بھر نہ تو کچھ کھایا اور نہ پیا، صبح سے شام تک بھوکا رہا لیکن دل میں یا زبان سے روزہ کی نیت نہیں کیا تو اسکا روزہ نہیں ہوا۔ بعض لوگ رات میں کھا کر نیت کی دعا پڑھ کر لیٹ جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ نیت کر لینے کے بعد کچھ کھانا پینا نہیں چاہئے یہ غلط ہے، جب تک سحری کا وقت ختم نہ ہو برابر کھا پی سکتے ہیں۔

مسئلہ: رمضان کے روزے کی نیت دن میں ٹھیک دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے پہلے کر لینا درست ہے۔

مسئلہ: قضا روزے میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے، اگر صبح ہو جانے کے بعد نیت کی تو قضا صحیح نہیں ہوئی بلکہ وہ روزہ نفل ہو گیا، قضا کا روزہ پھر سے رکھے۔

مسئلہ: نفل روزہ کی نیت دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے تک کر لینا درست ہے، مثال کے طور پر دس بجے تک روزہ رکھنے کی نیت نہیں تھی پھر روزہ رکھنے کا ارادہ ہو گیا اور صبح سے ابھی تک کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہے تو نفل روزہ کی نیت کر لینا درست ہے۔

مسئلہ: نفل کا روزہ نیت کر لینے سے واجب ہو جاتا ہے اگر صبح صادق سے پہلے یہ نیت کی کہ آج میرا روزہ ہے پھر اس کے بعد توڑ دیا تو اب اس کی قضا رکھے۔

مسئلہ: کسی نے رات میں نفل روزہ رکھنے کی نیت کی پھر صبح صادق ہونے یعنی سحری کا وقت ختم ہونے سے پہلے ارادہ بدل گیا اور روزہ نہیں رکھا تو قضا واجب نہیں۔

مسئلہ: عاشورۂ محرم، شب برأت کی پندرہویں اور عید کے چھ دن نفل روزہ رکھنے کا دوسرے نفلی روزہ رکھنے سے زیادہ ثواب ہے۔

مسئلہ: دن میں سو گیا اور ایسا خواب دیکھا جس سے نہانے کی ضرورت ہو گئی تو روزہ نہیں ٹوٹا۔

مسئلہ : روزہ میں دن کوسرمہ لگانا،تیل لگانا،خوشبو سونگھنا درست ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور نہ مکروہ ہے۔

مسئلہ : حلق کے اندر مکھی چلی جانے سے یا خود سے دھواں یا گرد وغبار کے چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا،لیکن اگر قصداً ایسا کیا کہ حلق میں یہ چیزیں چلی گئیں تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

مسئلہ : رات کو نہانے کی ضرورت ہوئی مگر غسل نہیں کیا،دن میں غسل کیا تو روزہ ہو جائے گا،اور اگر دن میں بھی نہیں نہایا تو روزہ ہو جائے گا لیکن ناپاک رہنے کا گناہ الگ سے ہوگا۔

مسئلہ : رات کو منھ میں پان دبا کر سو گیا اور صبح ہو جانے کے بعد آنکھ کھلی تو روزہ نہیں ہوا،صرف قضا رکھے،کفارہ واجب نہیں ہے۔

مسئلہ : کسی نے کنکری یا لوہے کا ٹکڑا وغیرہ کوئی ایسی چیز کھالی جس کو نہیں کھایا کرتے اور نہ اس کو کوئی بطور دواء کے کھاتا ہے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن اس پر کفارہ واجب نہیں۔اگر ایسی چیز کھالی یا پی لی جس کو لوگ کھایا کرتے ہیں یا کوئی ایسی چیز کہ لوگ یوں تو نہیں کھاتے ہیں مگر بطور دوا ضرورت کے وقت کھاتے ہیں تو بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا و کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

مسئلہ : اگر خود سے قے ہوگئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا خواہ تھوڑا ہو یا کم،لیکن اگر اپنے اختیار سے قے کی اور منھ بھر کر قے ہوئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر تھوڑی سی ہوئی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

مسئلہ : رمضان شریف کے ہی روزے توڑنے سے کفارہ لازم ہوتا ہے،رمضان شریف کے علاوہ کے روزہ توڑنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے۔

مسئلہ : اگر کسی کو قے ہوئی اور وہ سمجھا کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا اور پھر قصداً کھالیا اور روزہ توڑ دیا تو صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں۔

مسئلہ : کسی نے رمضان شریف میں روزہ کی نیت ہی نہیں کی اس لئے کھاتے پیتے رہے اس پر کفارہ واجب نہیں،کفارہ اس وقت ہے جب روزہ کی نیت کر کے روزہ توڑ دے۔

مسئلہ : رمضان کے مہینے میں اگر کسی کا روزہ اتفاقاً ٹوٹ گیا تو روزہ ٹوٹنے کے بعد بھی دن میں کچھ کھانا پینا درست نہیں ہے،سارے دن روزہ داروں کی طرح رہنا واجب ہے۔

مسئلہ : جن کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر روپیہ ہو اور ایک سال تک باقی رہے تو سال گذرنے پر اس کی زکوۃ دینا فرض

ہے اور اگر اس سے کم ہو تو اس پر زکوۃ فرض نہیں اور اگر اس سے زیادہ ہو تو بھی زکوۃ فرض ہے۔

مسئلہ : ۔کسی کے پاس مثلاً آٹھ تولہ سونا یا اتنا پیسہ جس میں صاحب نصاب بن جاتا ہے چار چھ مہینے تک رہا پھر وہ کم ہو گیا اور دو تین مہینے بعد پھر مال مل گیا تو بھی زکوۃ فرض ہے۔غرض یہ کہ جب سال کے اول وآخر میں مالدار ہو جائے اور سال کے بیچ میں کچھ دن اس مقدار سے کم رہ جائے تو بھی زکوۃ فرض ہوتی ہے، بیچ میں تھوڑے دن کم ہو جانے سے زکوۃ معاف نہیں ہو البتہ اگر سب مال ختم ہو جائے ،اس کے بعد پھر مال ملے تو جب سے پھر ملا ہے تب سے سال کا حساب کیا جائے گا۔

مسئلہ : کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت ہے اور اتنے ہی روپیوں کا وہ قرضدار ہے تو زکوۃ فرض نہیں ہے۔

مسئلہ : کسی کے پاس نہ تو پوری مقدار سونے کی ہے نہ پوری مقدار چاندی کی ہے بلکہ تھوڑا سونا ہے اور تھوڑی چاندی ہے تو اگر دونوں کی قیمت ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے یا ساڑھے سات تولہ سونے کے برابر ہو جائے تو زکوۃ فرض ہے اور اگر دونوں چیزیں اتنی تھوڑی تھوڑی ہیں کہ دونوں کی قیمت نہ اتنی چاندی کے برابر ہے نہ اتنے سونے کے برابر تو زکوۃ فرض نہیں اور اگر سونے اور چاندی کی مقدار پوری پوری ہے تو پھر قیمت لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔

مسئلہ : فرض کریں کہ کسی زمانہ میں پچیس روپے کا ایک تولہ سونا ملتا ہے اور ایک روپے کی ڈیڑھ تولہ چاندی ملتی ہے اور کوئی آدمی ہے جس کے پاس دو تولہ سونا ہے اور پانچ روپیہ نقدی ضرورت سے زائد ہے اور پھر سال بھر وہ رہ گئے تو اس پر زکوۃ واجب ہے کیونکہ دو تولہ سونا پچاس روپیہ کا ہوا اور پچاس روپے کی چاندی پچھتر تولہ ملی گی تو دو تولہ سونے کی چاندی اگر خریدو گے تو پچھتر تولہ ملے گا اور پانچ روپے نقد تمہارے پاس ہیں احساب سے اتنی مقدار سے بہت زیادہ مال ہو گیا جتنے پر زکوۃ فرض ہوتی ہے۔البتہ اگر صرف دو تولہ سونا ہی ہوا اور اس کے ساتھ روپیہ اور چاندی کچھ بھی نہ ہو تو زکوۃ فرض نہ ہوگی۔(بہشتی زیور بتغیر یسیر)

مسئلہ: زکوۃ کی رقم غیر مسلموں کو دینا جائز نہیں ہے۔زکوۃ اسی وقت ادا ہوگی جب مال زکوۃ پر مستحق کو مالکانہ قبضہ دیدیا جائے۔(دینِ کامل)

مسئلہ: اگر اپنے عزیز رشتہ دار جیسے بھائی، بہن، بہنوئی، چچا، بھتیجے، بھانجے وغیرہ مستحق زکوۃ اور غریب ہوں تو ان کو زکوۃ دینے میں زیادہ ثواب ہے، ایک ثواب صدقہ کا دوسرے صلہ رحمی کا۔(دینِ کامل)

Quarterly

RNI TITLE CODE : UPBIL04930

AL KASH SHAAF

Research Journal *Allahabad*

Voulume : 8 Issue No. : 1
January to march 2024

ملنے کا پتہ: مکتبہ الاشرف 9,1/2,1 آزادنگر، کرامت کی چوکی، کریلی الہ آباد Mb.7839216040

Editor:
Dr. Mohammad Ziauddin

FLAHUL IBAAD TRUST

Printed & Published by Dr. Mohammad Ziauddin on behalf of Flahul Ibaad Trust Allahabad 211016 through Jai Printers Allahabad.